جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلّہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد
عالمِ ربّانی محدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ
بانی جامعہ مدنیہ

ربیع الاوّل
سنہ ۱۴۲۱ھ

جون
سنہ ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۸ | ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ ۔ جون ۲۰۰۰ء | شمارہ : ۶

مدیرِ اعلیٰ

سیّد محمود میاں

مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) رائیونڈ روڈ لاہور

بدلِ اشتراک	
پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے ۔ ۔ ۔ ۔ سالانہ	۱۳۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات دبئی "	۵۰ ریال
بھارت، بنگلہ دیش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "	۶ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "	۱۶ ڈالر
برطانیہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "	۲۰ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . سے آپ کی مدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . ارسال فرمائیں ۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

کوڈ ۵۴۰۰۰ فون 092-42-200677

فیکس نمبر 092-42-7726702

○

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت مولانا سیّد حامد میاں رح	۱۰
اے مُسلمانو!	حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب	۱۳
ماہ ربیع الاوّل	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رح	۱۸
محُسنِ عالم	اُم الحسین صاحبہ	۲۱
عُلمار کی فضیلت	حضرت مولانا قاری سیّد صدّیق احمد باندوی رح	۲۴
اِلَّا اللہ (نظم)		۳۵
حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رح	مولانا محمدؐ عیسٰی منصوری	۳۶
موت العالِم موت العالم		۴۵
دین کے چند ضروری قواعد و ضوابط	حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب	۴۶
مفت میں کون تجھے اپنی کمائی دے گا (نظم)	سیّد امین گیلانی صاحب	۵۴
تردیدی خط		۵۵
حاصل مطالعہ	حضرت مولانا نعیم الدّین صاحب	۵۷
اخبار و احوال جامعہ جدید		۶۲

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہٗ خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلّہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی انڈیا

(قسط:۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

دُنیا میں انسانی حقوق کی سب سے بڑی دعویدار سلطنت امریکہ کے اندر انسانی حقوق کی پامالی سے متعلّق گزشتہ ماہ تین اپریل کے قومی جریدہ روزنامہ جنگ میں ایک خبر نیویارک ٹائمز کے حوالہ سے شائع کی گئی جس سے انسانی حقوق کی حفاظت کے دعوے کی قلعی بہت حد تک کھل جاتی ہے۔

اخبار لکھتا ہے۔

''دُنیا کے مختلف ممالک سے ہر سال کم از کم ۵۰ ہزار خواتین اور بچّوں کو امریکہ لاکر اُن سے زبردستی جسم فروشی مزدُوری یا مشقت کرائی جاتی ہے یہ انکشاف نیویارک ٹائمز میں امریکہ کے خفیہ ادارے سی آئی اے حوالے سے شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ اخبار کے مطابق گزشتہ نومبر میں مکمّل ہونے والی ایک رپورٹ میں کیا گیا ہے کہ مذکورہ بے بس خواتین اور بچّے زیادہ تر لاطینی امریکہ اور مشرقی یورپ سے لائے جاتے ہیں اور امریکہ میں اُن کی حیثیّت غلاموں سے کم نہیں ہوتی۔ رپورٹ کے مطابق امریکہ کے قانُون نافذ کرنے والے اداروں کو ایسے کیسوں تحقیقات اور اُن میں ملوّث افراد کے خلاف مقدمات قائم کرنے میں سخت مشکلات درپیش ہیں کیونکہ امریکہ میں ایسا کوئی قانون نہیں کہ ایسے جرم میں ملوّث شخص پر براہِ راست ہاتھ ڈالا جاسکے اور اگر کسی کے خلاف مقدمہ چلتا بھی ہے تو غیر ملکیوں کو اُن کی مرضی کے خلاف رکھنے پر انھیں انتہائی معمولی جرمانے

ہوتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ دو سال کے دوران ایک لاکھ سے زائد خواتین اور بچّوں کو غلاموں کی سی حیثیّت سے امریکہ لایا گیا اور اُن سے متعلّق صرف دو سو پچاس کیسوں کی سماعت ہُوئی اخبار کے مطابق ۹۰ صفحات پر مشتمل اس سرکاری رپورٹ میں گھمبیر مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔"

یہ خبر بہت سے لوگوں کو بلکہ سب ہی کو ایک نئی بات معلوم ہوئی ہوگی، مگر حقیقت یہ ہے کہ غلامی کی تاریخ عیسائیت کی تاریخ سے بھی قدیم ہے اور ازمنہ قدیم کی تمام ترقی یافتہ قوموں میں پائی جاتی تھی لیکن اس کا جو چسکا عیسائیوں کو لگا شاید ہی کسی اور کو لگا ہو یہی وجہ ہے کہ بظاہر غلامی کے خلاف طبلِ جنگ بجانے والے عیسائی دَر پردہ غلامی کے تسلسل کو کسی نہ کسی صُورت میں برقرار رکھے ہُوئے ہیں۔ آیئے سب سے پہلے مختلف مذاہب کا غلامی سے تعلّق اور غلاموں کے حقوق انصاف اور نا انصافیوں سے متعلّق ایک مختصر تحریر پر نظر ڈالیں پھر آخر میں غلامی سے متعلّق اسلامی تعلیم وہدایات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اس قسط میں بھی ہم فاضل دیوبند حضرت مولٰنا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کی کتاب "اسلام میں غلامی کی حقیقت" سے مزید استفادہ کرتے ہُوئے چند واقعات نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اہلِ فارس

اہلِ فارس اُن قوموں میں سے تھے جو غلاموں کی کثرت کو تمول کی نشانی اور ریاست و امارت کی علامت سمجھتے تھے۔ اُن کے ہاں غلامی کو محض بدزبانی کے باعث کوئی شدید سزا نہ دی جاتی تھی۔ البتہ اگر وہ اپنی اس عادت کی اصلاح نہ کرتا اور بار بار اُس سے اس طرح کی حرکات صادر ہوتیں تو پھر اُس کو قتل کر دیا جاتا۔

اہلِ چین

چین والے بھی اپنے مذہبی اور ملکی دستور کے مطابق غلام سے ہر طرح کا خاطر خواہ معاملہ کرنے میں مختار تھے لیکن چینیوں کے اخلاق و عادات دوسری قوموں کی بہ نسبت اچھے تھے اسی لیے وہ غلاموں کے ساتھ زیادہ وحشیانہ معاملہ نہیں کرتے تھے۔ پہلی صدی عیسوی میں اُن کے ہاں ایسے قوانین بنائے گئے تھے جن کی رو سے ہر شخص کو اپنے غلام کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔

یُونان میں غلامی کا رواج

بقول مسٹر ڈبلو۔ جے۔ وڈ ہاؤس یونان میں غلامی کا ظہور دو اسباب سے ہوا ایک جنگ اور دوسری ضرورت۔

یُونان میں غلامی کے وجود کا پتہ ہومر کے عہد میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس عہد کا غلام کوئی طاقت

نہیں رکھتا تھا اور تعجب انگیز یہ بات ہے کہ اس باب میں یُونان کے بڑے بڑے فلسفی بھی رائے عامہ کے تابع اور عوام کے ہم خیال و ہم عقیدہ تھے۔ ارسطو جو حکمائے یُونان میں ایک مرتبۂ خاص کا مالک ہے اکثر کہا کرتا تھا کہ "غلام ایک آلہ ہے مگر ذی رُوح، اور ایک کھلونا ہے مگر جاندار"۔

یُونانیوں کے نزدیک انسانوں کی دو قسمیں ہیں: احرار اور غلام۔ اور پھر غلام دو قسم کے تھے، ایک وہ جن کے مِلک پر زبردستی تسلّط و استیلاء حاصل کر لیا گیا ہو۔ دوسری قسم اُن غلاموں کی تھی جن کو بازار سے خریدا گیا ہو۔ پہلی قسم کے غلام محض نام کے غلام تھے، ورنہ اُن کو زمینوں کے تابع سمجھا جاتا تھا۔ زمینوں کے ساتھ ان کی بھی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

دوسری قسم کے غلام اپنے آقاؤں کے رحم و کرم پر زندگی گزارتے تھے۔ آقا جو چاہتا اُن کے ساتھ معاملہ کر سکتا تھا۔ کوئی نہ تھا جو اُن سے باز پُرس کر سکتا۔

غلاموں کی تجارت

یونان میں اینا نامی ایک بڑا بازار تھا جہاں غلاموں کی تجارت ہوتی تھی۔ یہاں سے جو غلام خریدے جاتے تھے مالک اُن سے اپنا ذاتی کام لیتا اور اُن کو کرایہ پر بھی دے سکتا تھا۔

غلاموں کو سزائیں

یُونان کے دستورِ ملکی کے مطابق کوئی اجنبی کسی کے غلام کو نہیں مار سکتا تھا لیکن آقا کو معمولی معمولی خطاؤں پر سخت سے سخت سزا دینے کا اختیارِ کلّی حاصل تھا۔ صرف ایتھنز میں یہ قاعدہ تھا کہ غلام اپنے آقا کی غیر انسانی حرکت کے خلاف احتجاج کر کے کسی ایک "جائے پناہ" میں پناہ لے سکتا تھا۔

غلاموں کی عام سزا کوڑا تھی جس کی مقدار پچاس تک ہوتی تھی۔ دوسری قسم کی سزا حبس تھی جس کی مختلف صُورتیں اور شکلیں ہوتی تھیں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دینا تو اس قدر عام تھا کہ مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار کے بقول اُس کو سزا ہی نہ کہنا چاہیے۔ اس کے علاوہ داغنے کی سزا کا بھی دستور تھا۔ مگر یہ سزا خُصوصاً اُن غلاموں کو دی جاتی تھی جو اپنے آقا کے پاس سے فرار ہو گئے ہوں اور پھر گرفتار کر لیے گئے ہوں۔ چوتھی قسم کی سزا یہ تھی کہ غلام سے کانوں میں یا چکیوں پر بڑی ہی سخت محنت لی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض اوقات یہ ہی محنت اُن کی حسرت ناک موت کا سبب ہوتی تھی۔

غلاموں کو آزاد کرنے کے طریقے

یُونان میں غلاموں کی آزادی کے تین طریقے تھے۔
۱۔ یہ کہ ملک کی طرف سے مدافعت کرنے کے لیے حکومت کو غلاموں کی فوجی خدمات کی ضرورت ہوتی تو اس صُورت میں حکومت باختیارِ خود جتنے غلاموں کو چاہتی آزاد کر دیتی۔ آزاد ہونے کے بعد ان لوگوں کو فوج میں بڑے سے بڑا عہدہ دیا جا سکتا تھا۔
۲۔ آقا خود اپنی رضا و رغبت سے ازراہِ کرم و عنایت غلام کو یُونہی بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کر دے یا اسلام میں عبد مکاتب کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے وہ اختیار کرے یعنی اپنے غلام سے کہے کہ تو اتنی رقم مجھ کو کما کر دے دے اس کے بعد تو آزاد ہو جائے گا تو اس صُورت میں حکم یہ تھا کہ اُس مقررہ رقم کو ادا کرنے کے بعد ہی غلام آزاد سمجھا جاتا تھا۔
۳۔ آزادی کی تیسری صُورت یہ تھی کہ آقا اپنے غلام کو کسی دیوتا کی خدمت کے لیے وقف کر دیتا تھا پھر اس میں بھی دو صُورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ آقا اُس کے بدلے میں اپنے غلام سے یا بالفاظِ دیگر دیوتا سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتا تھا بلکہ اُس کی جانب سے ایک طرح کا نذرانہ تھا اور دوسری شکل یہ تھی کہ آقا غلام سے کہتا کہ اگر تُو نے اتنی رقم مجھ کو ادا کر دی تو مَیں تجھ کو فلاں دیوتا کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا۔ غلاموں کو اس صُورت میں شخصی ملکیت سے نکل آنے کے باعث یک گونہ راحت ملتی تھی۔ اس لیے وہ بسا اوقات اس شرط کو منظور کر لیتے تھے پھر جو رقم غلام ادا کرتا تھا اُس کو سمجھا جاتا تھا کہ وہ درحقیقت دیوتا کی طرف سے ادا کی جا رہی ہے۔ یعنی دیوتا خریدار اور مالک بائع، اور غلام مبیع ہوتا تھا۔ اس قسم کا معاملہ پیشوائی مذہبی کی موجودگی میں ہوتا۔ غلام کا باقاعدہ بیع نامہ لکھا جاتا، اور وہ مالک کی ملکیت سے نکل کر دیوتا کی ملکیت میں داخل ہو جاتا۔

درحقیقت یہ صُورت آزادی کی نہیں ہے، لیکن چونکہ غلام اس معاملہ کے بعد مالک کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور ایک شخص کی بجائے ایک عبادت گاہ کا غلام ہو جاتا ہے جس میں اُس کو صُورتِ اوّل کے بالمقابل یک گونہ راحت و آرام ہے، اس لیے اس صُورت کو بھی آزادی کی صُورتوں میں شمار کیا گیا ہے۔

آزاد کردہ غلام

روما کی تاریخ بنانے میں آزاد کردہ غلاموں کو بھی بڑا دخل ہے لیکن یُونان میں جو غلام آزاد ہوتے تھے اُن کو کوئی شہری حق مطلق نہیں ملتا تھا۔ آزاد ہونے کے بعد وہ اور چند در چند مصائب میں گرفتار ہو جاتے تھے۔ رہنے کے لیے اُن کو کسی شخص کی سرپرستی حاصل کرنی ضروری

تھی اور پھر ان غریبوں کو ایک بھاری ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا تھا اور یہ ٹیکس وہ تھا جو اجنبی باشندگانِ شہر سے وصول کیا جاتا تھا۔ پھر اُس کے لیے خاص خاص قواعد تھے جن کی پابندی اُس پر لازم تھی اگر اُن میں سے کبھی کسی ایک قاعدہ کی خلاف ورزی ہوتی تو بطورِ سزا اُس کو دوبارہ غلام بنالیا جا سکتا تھا اسمبلی کا کوئی غیر معمولی ووٹ ہی اس کو شہری حقوق دلا سکتا تھا۔[1]

مصرِ قدیم دُنیا کی قدیم تہذیبوں میں مصر کی تہذیب کو نمایاں امتیاز حاصل ہے، لیکن آپ کو تعجّب ہوگا کہ تہذیب و تمدّن کے اس قدر عروج کے باوجود اہلِ مصر کے نزدیک غلام صرف خدمت گزاری اور چاکری کے لیے مخصوص سمجھا جاتا تھا۔ آقاؤں کو غلاموں پر ہر طرح کا تسلّط و استیلاء تھا، زندہ رکھیں یا قتل کر دیں۔

تمدّن کی ترقّی کے ساتھ ساتھ ان سختیوں میں کمی پیدا ہوتی رہی لیکن پھر بھی سب سے بڑی رعایت جواُن کو دی گئی وہ یہ تھی کہ مصری حکومت کے اعلان کے مطابق یہ قانون بنا دیا گیا تھا کہ جو شخص کسی غلام کو قتل کرے گا انتقام میں اُس کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔

فینیقیوں میں غلامی کا رواج سولہویں صدی قبل مسیح میں جبل لبنان اور سمندر کے درمیان کچھ لوگ رہتے تھے جو عرب اور یہود کے ساتھ ہم جنس تھے، یہ اہلِ فینیقیہ کہلاتے تھے۔ فینیقیہ کے دو شہر بہت مشہور تھے، پہلے صیدا اور اس کے بعد صور۔ ان لوگوں میں بھی غلام حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ یہ ہر جگہ غلاموں کی جستجو میں رہتے تھے، خُصوصًا جوان لڑکیاں، لڑکے اور جنگی غلام فاتحوں سے خریدتے تھے۔ اکثر اوقات صیدا کے لوگ غلاموں اور باندیوں کے خریدنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے تھے بلکہ آدمیوں کو چرُالاتے اور زبردستی غلام بنالیتے تھے۔ ہیروڈوٹس ایک حکایت بیان کرتا ہے کہ ایک روز فینیقی ارگوس (ARGOS) میں اُترے جو اُس زمانہ میں یُونان کا بہترین شہر تھا اور اپنا سامان بھی کنارے پر اُتارا۔ یُونانی اُن سے سامان خریدنے کے لیے وہیں آنے لگے چند روز کے بعد جب اُن کا سب مال فروخت ہو چکا تو وہاں کے بادشاہ کی لڑکی عورتوں کی ایک جماعت کے ساتھ فینیقیوں کے پاس آئی۔ ابھی یہ عورتیں خریدنے میں مصروف تھیں کہ اچانک بیچنے والوں نے ان پر حملہ کر دیا اور زبردستی

---

[1] زیادہ تفصیلی معلومات کے لیے دیکھو انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔

اُنھیں پکڑ کر اپنی کشتیوں میں بٹھا کر چلتے ہوتے [1]

رومیوں میں غلامی کا رواج

غلامی کی تاریخ میں روما کی غلامی ایک خاص اہمیّت رکھتی ہے۔ صرف اسی موضوع پر متعدّد اربابِ قلم نے قیمتی تصنیفات لکھی ہیں ان لوگوں کے نزدیک لوگوں کو غلام بنانے کے مختلف طریقے تھے جن قوموں پر فتح حاصل کرتے تھے اُنھیں اپنا غلام سمجھتے تھے اور جو بچّے باندیوں کے بطن سے پیدا ہوتے تھے وہ بھی غلام ہی سمجھے جاتے تھے اس کے علاوہ رومانی قانون میں چند دفعات ایسی تھیں جن کی رو سے وہ جب چاہتے کسی حرالاصل آدمی کی حریت و آزادی کو سلب کر سکتے تھے۔ جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوتے تھے اُن کو رُوما کے بازاروں میں بہت کم قیمت پر فروخت کر دیا جاتا تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو چُرا لاتے اور غلام باندیاں بنا کر بیچ دیتے اس میں شُبہ نہیں کہ اخلاقی اعتبار سے رُوم کے لوگ بردہ فروشی کو بدترین کام سمجھتے تھے، لیکن چونکہ اس میں نفع بہت زیادہ تھا اس لیے اس کا رواج بھی بہت عام تھا۔

ان کا عام دستور تھا کہ جس غلام کو بیچنا ہوتا تھا اُس کو پتھر کی ایک اُونچی چٹان پر کھڑا کر دیتے تھے تاکہ ہر ایک گاہک اُس کو دیکھ سکے اور جس کو پسند ہو وہ خرید سکے۔

روما کی حکومت آٹھ سو برس تک رہی اور کہا جاتا ہے کہ یہ عہدِ عتیق کی سب سے بڑی مہذّب اور متمدن حکومت تھی، لیکن اس کے باوجود اُن کے تمدنی اُصول و قواعد میں غلاموں کے لیے کچھ حقوق نہیں تھے ـــــ اور انسانی زندگی کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کا اُنھیں کوئی حق نہ تھا زندہ رکھنے اور قتل کرنے میں آقا مختارِ کل ہوتے تھے۔ کسی کو اُن کے کسی فعل پر نکتہ چیں ہونے کا حق نہ تھا۔

غلاموں کو سزائیں

اِن کے یہاں غلاموں کو سزا دینے کے بھی عجیب وغریب طریقے رائج تھے۔ مثلاً کسی غلام سے کوئی ادنیٰ سا جرم صادر ہوا اور اُنھوں نے ایک بڑا بھاری پتھر اُس کی کمر پر لاد دیا۔ اور اُس پر طرفہ ستم یہ کہ غلام سے کہا جاتا کہ اسی حالت میں جا کر کھیتوں میں کاشت کا کام کرو۔ کبھی اُن کو بطورِ سزا اُلٹا لٹکا دیا جاتا اور بڑی بڑی وزنی چیزیں اُن کے جسم سے باندھ دی جاتیں، اور کبھی اُن کو اس بے دردی سے مارا جاتا کہ بیچارے پٹتے پٹتے قیدِ ہستی سے ہی آزاد ہو جاتے تھے۔

---

[1] اُردو ترجمہ تاریخ ملل قدیم مُصنفہ سینوبس فرانسیسی ص: ۲۶۹

مسٹر آر۔ ایچ بارو نے خاص "رومن سلطنت[1] میں غلامی" کے نام سے ایک ضخیم اور پُراز معلومات کتاب لکھی ہے۔ اُس میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ روما میں جو لوگ آباد تھے اُن کی تعداد تو مؤرخین نے لکھی ہے، لیکن غلاموں کی صحیح تعداد کسی نے نہیں بتائی۔ قیاس و تخمین سے جو تعداد بتائی جاتی ہے وہ مختلف ہے اور اُس کے اعتبار سے غلاموں کی آبادی روم کی آبادی کی تقریباً ایک چوتھائی تھی۔

رومانی لشکر نقل و حرکت کرتا تھا تو اُس کے جلو میں بردہ فروش بھی ہوتے تھے۔ ان کو جہاں کہیں موقع ملتا لڑکوں کو چُرا کر اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے آتے۔ اس میں شُبہہ نہیں کہ رومن سلطنت کے اخیر دَور میں غلاموں پر زیادہ سخت اور بہیمانہ مظالم ہونے بند ہو گئے تھے اور یہ قانون بنا دیا گیا تھا کہ جو شخص کسی غلام کو قتل کریگا اُس سے غلام کے خُون کا انتقام لیا جائے گا لیکن اس قانون کے نفاذ سے قبل غلام کی حیثیّت محض ایک جانور کی سی تھی جس کے متعلق عام خیال یہ تھا کہ وہ ایک ایسا ذی روح ہے جس کو مملوک ہی ہونا چاہیے اس کے برخلاف آقاؤں کو غلاموں پر جو اختیارات حاصل تھے اُن کا کوئی حد و حساب نہ تھا۔ سیاسی اور شہری معاملات میں غلام کو کوئی دخل نہ تھا اور نہ کسی پبلک اجتماع میں شریک ہو سکتا تھا اور نہ کوئی فوجی خدمت اُس کے سپرد کی جا سکتی تھی۔ قانونی طور پر یہ غریب شادی کے بھی مجاز نہیں تھے[2]، اور وہ عدالت میں کسی طرف سے گواہی بھی نہیں دے سکتے تھے۔

روما کی تاریخ میں محمود و ایاز کے تعلقات کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سِسِیرو (CICERO) اور اُن کے غلام تیرو (TIRO) اور ایٹیکس (ATTICUS) اور اُس کے غلام الیکسِس (ALEXIS) کے درمیان بہت خوشگوار اور دوستانہ تعلقات تھے لیکن ڈبلو۔ جے وڈ ہاؤس (W J WOOD HOUSE) کے قول کے مطابق اس طرح کی مثالیں شاذ و نادر ہی ہیں اور ان کو عام اجتماعی اور تمدنی زندگی کا آئینہ دار نہیں کہا جا سکتا۔

(جاری ہے)

---

[1] (SLAVERY IN THE ROMAN EMPIRE)

[2] مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا۔

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلہم

درس حدیث

آں امن الناس بر مولائے ما

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

ترتیب و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب مدظلہم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری اُمّت سے ارشاد فرمایا اکرموا اصحابی فانھم خیارکم میرے صحابہ کا احترام اور اکرام کرو، وہ تم میں بہترین ہیں اور فرمایا ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب ۔ ان کے بعد وہ بہترین ہیں جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ پھر وہ ہیں جو اُن کے بھی بعد میں آئیں گے۔ اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا، ایمان کمزور ہو جائے گا، اور بد عملی شائع وذائع ہو جائے گی۔

تو جنابؐ نے اپنے صحابہ کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ یہ تعریف اس قسم کی نہیں تھی جو ایک دوست دوسرے دوست کی اُس کی دوستی کی وجہ سے کرتا ہے، بلکہ یہ ایک حقیقت تھی، حق بات تھی اور یہ اللہ کی طرف سے تھا۔ بلاشُبہ صحابہ پوری کائنات میں سب سے بہتر اور لائقِ احترام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُمّت میں سے اُنھیں چُن چُن کر آپ کے اصحاب ہونے کا فخر بخشا، اُن کی بہتری، عظمت اور قابلیّت کے شواہد و نظائر لاتعداد ہیں۔ اُنھوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی، حکومتیں کیں، فتوحات حاصل کیں، جہاد کیا، لوگوں کو دینِ اسلام کی تعلیم دی، عدل و انصاف سے دُنیا کو معمور کر دیا، لوگ اُن کے اعلیٰ اور بلند اخلاق کو دیکھ دیکھ کر مُسلمان ہوتے وہ بے پناہ صلاحیتوں کے حامل تھے، اُن کا دَور بڑا مسعود دَور تھا، اُن سے جتنی دُوری ہوتی جارہی ہے خرابیاں پھیلتی جارہی ہیں، وہ رسول اللہ کے ساتھی تھے۔ رسول اللہؐ کا ساتھی ہونا بہت بڑی بات اور ایک عظیم سعادت ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کے بعد صحابہ کرام کی نظیر کہیں بھی نہیں مل سکتی۔ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے محبوب تھے اس لیے حکم دیا کہ میری اُمّت میرے دوستوں کا احترام کرتی رہے۔

آپؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا لاتمس النار مسلماً رآنی۔ جو حالتِ اسلام میں (یعنی مسلمان ہوکر) مجھے دیکھے گا، اُسے جہنّم کی آگ مَس نہ کرے گی۔ اور فرمایا رأی من رأنی یا جس نے اُن کو دیکھا ہو۔ جنھوں نے مجھے دیکھا ہے یہ کتنی بڑی تعریف ہے صحابہ کرام کی کہ نہ تو خود اُنھیں آگ چھو سکے گی اور نہ اُن کو جنھوں نے حالتِ اسلام میں صحابہ کی زیارت کی ہو۔

اس مقدس گروہ صحابہؓ میں بہت سے وہ خوش قسمت بھی ہیں جن کا نام لے کر آپؐ نے تعریف فرمائی مثال کے طور پر ایک مرتبہ ارشاد فرمایا ان من امن الناس علی فی صحبتہ ومالہ ابوبکر یعنی ان لوگوں میں سے جنھوں نے میرے ساتھ رفاقت اور بذلِ مال میں احسان کیا ہے، ابوبکر ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اس وقت رسولِ خدا کے ساتھ رہے جب کوئی ساتھ نہ تھا۔ انھوں نے حضورؐ اور اسلام کے لیے اپنا مال بے دریغ اور محبّت اور خوشی سے صرف کیا اور ایسے وقت میں اپنا مال خرچ کیا جب اس کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ اس لیے حضورؐ فرماتے ہیں کہ ان کا احسان سب سے زیادہ ہے۔

ایک روایت میں ہے وما لاحد عندنا ید الا وقد کافیناہ ماخلا ابا بکر فان لہ عندنا ید یکافئہ اللہ بھا یوم القیامۃ۔ ہمارے ساتھ جس کسی کا احسان تھا ہم نے سب کا بدلہ دے دیا سوائے ابوبکرؓ کے، کہ ان کا ہم پر وہ احسان ہے کہ جس کا بدلہ قیامت میں خُدا تعالیٰ ہی دے گا اور ارشاد فرمایا کہ کسی کے بھی مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا ابوبکر کے مال نے پہنچایا۔ ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر۔

تو آپؐ نے حضرت صدّیق اکبرؓ کا نام لے کر بہت اور بار بار تعریف فرمائی ہے۔

ایک دفعہ حضورِ اکرمؐ نے یہ اعلان فرمایا کہ مسجد میں جتنی کھڑکیاں ہیں سب بند کر دو سوائے ابوبکرؓ کی کھڑکی[1] کے۔

حدیث کی کتابوں میں بکثرت یہ مضمون آیا ہے کہ جس وقت آنحضرتؐ کی طبیعت ناساز تھی تو ابوبکرؓ

---

[1] صحابہ کرام نے اپنے اپنے مکانوں کے دروازے مسجد کی طرف بنا رکھے تھے تاکہ نماز کے لیے آنے جانے میں سہولت رہے آپ نے اعلان فرمایا کہ ابوبکرؓ کے سوا سب دروازے بند کر دیے جائیں۔ صحابہ کرام نے حکم کی تعمیل میں دروازے دوسری جانب بنا لیے۔ البتہ کھڑکیاں مسجد کی جانب رہنے دیں۔ آخری دنوں میں آپؐ نے کھڑکیوں کو بند کرنے کا حکم بھی دے دیا کہ ابوبکرؓ کے سوا سب لوگ کھڑکیاں بند کر لیں۔ یہ گویا حضرت صدیق اکبرؓ کی ایک خصوصیت تھی کہ سب کے دروازے اور کھڑکیاں بند کرنے کا حکم فرمایا اور آپ کو مستثنیٰ قرار دیا۔

کو بُلایا اور نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا کہ حضرت عُمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا جائے، کیونکہ ابوبکرؓ رقیق القلب ہیں۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ ہی سے کہو کہ نماز پڑھائیں اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تمہاری مثال ایسی ہے جیسے یُوسف علیہ السّلام کے زمانہ کی عورتیں، کہ اُوپر اُوپر تو یہ کہہ رہی ہو کہ ابوبکرؓ رقیق القلب ہیں۔ آپ کی جگہ امامت نہیں کرسکیں گے، مگر دراصل تمہارا مطلب یہ ہے کہ لوگ یہ بدگمانی نہ کریں کہ رسول کے ساتھ اس لیے رہتے تھے کہ امامت اور نیابت حاصل کریں۔ غرض کہ ابوبکرؓ نے آپؐ کی حیات ہی میں نمازیں پڑھانی شروع کردیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جن دنوں آنحضرتؐ کی طبیعت ناساز تھی، مجھ سے فرمایا ادعی لی ابابکر اباك واخاك اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنّٰی متمن ویقول قائل انا ولا ویابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر۔ یعنی ابوبکرؓ کو بُلاؤ اور اپنے بھائی کو بھی بُلا لاؤ تاکہ مَیں اُنھیں لکھ دُوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی کہنے والا یہ کہے کہ مَیں موزوں ہُوں۔ میرے علاوہ اس کے لیے کوئی موزوں نہیں۔ پھر آپؐ نے کچھ توقف فرماکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور سب مُسلمان ابوبکرؓ کے سوا کسی اور پر راضی نہ ہوں گے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ خلافت کے بارے میں تحریر فرمانا چاہتے تھے۔

مختصر یہ کہ آپؐ کے تمام صحابہؓ بلند مراتب اور اعلیٰ درجات پر فائز تھے، البتہ بعض امتیازی مقام رکھتے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ سب صحابہؓ سے بڑھے ہوئے تھے۔ انشاء اللہ اگلی اتوار کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کچھ اور فضائل کا بیان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کے اکرام و احترام کی توفیق بخشے ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلائے اور آخرت میں ان کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین

اے مُسلمانو! کس سوچ میں ہو؟

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو رفعت اور عزّت دی، حکومت اور دولت سے نوازا عرب و عجم کو ان کے تابع کردیا، لیکن اُنھوں نے قدر دانی نہ کی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گناہوں میں خرچ کیا، فرائض و واجبات ترک کیے، تن آسانی اور نفسانی لذّتوں اور شہوتوں میں پڑ گئے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع چھوڑ دیا، خلفاء راشدین رضی کے طور و طریق سے دُور ہوگئے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمالی، حکومتیں چھین لیں۔ گناہوں کی وجہ سے مصیبتوں میں مُبتلا کر دیا مُسلمان غور کریں کہ ان کی حکومتیں کہاں کہاں تھیں، کیا قرطبہ کی جامعہ مسجد آواز نہیں دے رہی ہے کہ مجھے دُشمنوں سے چھڑاؤ کیا دہلی کی جامع مسجد اور لال قلعہ تمہیں نہیں پُکار رہے ہیں کہ تم نے ہمیں کس شان سے بنایا تھا اور اَب ہم کس کے زیرِ اقتدار ہیں ؟ کیا اجودھیا کی مسجد تم سے سوال نہیں کرتی جو بابر کے نام سے موسوم ہے کہ مُسلمانو! تم نے مجھے بے یار و مددگار کیوں چھوڑا ؟ بُت پوجنے والوں کو مجھ پر کیوں مسلّط ہونے دیا ؟ اہلِ شرک اہلِ توحید پر غالب ہوجائیں جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ بظاہر بڑے تعجّب کی بات ہے قرآنی قانون کو سامنے رکھ کر سوچا جائے تو کچھ بھی تعجب نہیں، جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے تو جو بہت سی مصیبتوں میں گرفتار ہوجاتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دُشمن مسلّط کر دیے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کے سامنے جب یہ مضامین پیش کیے جاتے ہیں تو وہ اُن کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر مصیبت آئی ہے تو کیا وجہ کہ فلاں ملک اور فلاں جگہ کے لوگوں پر وہ مصیبت کیوں نہ آئی جو ہم پر پہنچی۔ وہ بھی تو ہمارے ہی جیسے گنہگار ہیں ؟ یہ بالکل لچر سوال ہے بھلا یہ کیا ضرور ہے کہ سب پر اور سب جگہ بیک وقت مصیبت آئے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ سب ایک

ہی قسم کے مصائب میں مُبتلا ہوں۔ وقتاً فوقتاً اور نوبت بہ نوبت ہر ملک اور ہر علاقے میں انفرادی و اجتماعی مصیبتیں آتی رہتی ہیں جو متنوع اور مختلف ہوتی ہیں اور بعض مرتبہ کئی ملک بیک وقت کسی ایک ہی مصیبت میں گھیر دیے جاتے ہیں۔ زلزلے آنا، سیلاب سے تباہ ہونا، بارش بالکل نہ ہونا یا بہت زیادہ ہو جانا، ٹڈی دَل کے حملوں سے کھیتیوں کا اُجڑ جانا، بادو باراں کا طوفان آجانا، ریلوں کا لڑ جانا، ہوائی جہازوں کا گرنا، حکومتوں کا زیر و زبر ہونا۔ وبائی امراض، ہیضہ، طاعون، چیچک، انفلونزا، ملیریا وغیرہ وغیرہ کا پھیلنا یہ سب ایسی مصیبتیں اور پریشانیاں ہیں جو تمام ملکوں میں پیش آتی رہتی ہیں۔

کسی کے ذہن میں شاید یہ وسوسہ آجائے کہ ظاہری اسباب کو ترک کرنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ ایسا سمجھنا غلط ہے۔ دفع مصائب کے لیے حدودِ شریعت میں رہتے ہُوئے اسباب ظاہرہ اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ بعض مواقع میں فرض کے درجہ میں ہو جاتا ہے۔ تدابیر تو سبھی اختیار کرتے ہیں، لیکن چونکہ سب سے بڑی تدبیر یعنی احکام خداوندی کا پابند ہونے اور اُس کی نافرمانیوں کو چھوڑنے سے باز رہتے ہیں۔ اس لیے ظاہری تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں اور اگر کسی صُورت سے کامیابی ہوئی تو دوسری کوئی مصیبت سامنے آجاتی ہے

افسوس کہ خدائے تعالیٰ نے جن چیزوں پر امن وچین اور خیر و برکت کا مدار رکھا ہے ان کے متعلق ہمارے تصوّر میں بھی یہ نہیں آتا کہ ان کو اختیار کریں۔ دنیاوی تدابیر و اسباب خُوب اختیار کر کے دیکھ لیے مگر مصائب و مشکلات میں، بجائے کمی کے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اب نہیں معلوم کیا انتظار ہے جو خالق کے حضور میں نہیں جُھکتے ہیں۔

جس کے دل میں اسلام کی محبّت ہو اور جو اسلام کی عظمت و رفعت کا متمنی ہو اس پر لازم ہے کہ کتاب اللہ اور احادیثِ نبویہ (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) پر عمل کرنے کو مقصد زندگی بنالے۔ اسی طرح دُنیا و آخرت میں حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل ہو سکتی ہے ہم نے اپنی بداعمالیوں سے خدا کو ناخوش کر کے اپنے کیے کا پھل پا لیا اُس سے مُنہ موڑ کر اور اُس کو ناراض کرنے کا انجام بُھگت لیا۔ اَب پھر اس کے حضور میں جُھکیں اپنی غلطیوں پر نادم ہوں اپنے خُدا کو منالیں اس کے پکّے اور سچّے پرستار بن جائیں۔ اس کے احکام پر عمل کریں اس کے دین کو فروغ دیں۔ اسلام کی شان کو باقی رکھنے کے لیے

تن من دَھن کی بازی لگا دیں اپنے اسلاف کی روایات پارینہ کو پھر تازہ کر دیں۔ پھر وہ دن دُور نہیں رہے گا کہ کھویا ہوا وقار ہاتھ آجائے، پریشانی و پریشان حالی خوشی و خوش حالی میں مبدل ہو جائے۔

یُوں کہنے والے تو بہت ہیں کہ یہ سب پریشانیاں اور مصیبتیں ہمارے ہی کرتُوتوں کا نتیجہ ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ صرف گناہوں کے اقرار کر لینے سے مصیبتوں اور تکلیفوں کے دُور ہو جانے کا خواب دیکھنا سراسر بے وقوفی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف زبانی ہی باتیں ہیں۔ اس قسم کی باتیں بنانے والے شاید اپنی ذات کو نیک سمجھتے ہیں اور دوسروں کو مجرم گردانتے ہیں۔ حالانکہ انسان کو سب سے پہلے اپنے نفس کی خبر لینی چاہیے۔ اقرار کے ساتھ بُرے اعمال کا چھوڑنا بھی ضروری ہے ہم احکم الحاکمین کے احکام کی برابر خلاف ورزی کرتے رہیں اور امن وامان راحت و چین کی بھی آرزو رکھیں یہ محض خیالِ خام ہے۔ خود تو نافرمانی میں سرگرم رہیں اور اللہ سے رحم و کرم کا مطالبہ کریں۔ گویا خُدا کے ذمّہ صرف رحم و کرم ہے۔ مگر ہمارے ذمہ گناہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں (العیاذ باللّٰہ العظیم)

ترکیا میں جب سے زلزلہ آیا ہے لوگوں میں اس کا چرچا ہے اور یہ بات زبانوں پر آرہی ہے کہ یہ ہماری بدعملیوں کا نتیجہ ہے لیکن گناہ چھوڑنے کو پھر بھی تیّار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ترکوں کو اتنی ترقّی دی اور اتنا نوازا کہ دُنیا میں سب سے بڑی مملکت اُن ہی کی تھی۔

متّحدہ ہندوستان میں اور برما میں مغلوں کا راج تھا اور ترکوں کے اپنے ملک میں اور اُن کے آس پاس کے ممالک میں قبرص میں سوریا میں فلسطین میں حجاز میں ان کا ہی اقتدار تھا۔ چار سو سال تو حجاز میں اُن کی حکومت تھی لیکن جب دُشمنوں نے اپنا یا مصطفٰے کمال کو تھپکی دی اور اسلام و اسلامیات کے خلاف اُبھارا تو سارے ممالک اُن کے ہاتھ سے نکل گئے اور مختصر سا ملک اُن کے ہاتھ میں رہ گیا اُن کی بیہوشی کا یہ عالم ہے کہ دین دینیات سے دُور رہنے کو کمال سمجھتے ہیں۔ ایمانیات میں کمال نہیں سمجھتے دُشمنوں کے طور طریق اختیار کرنے اور ان کی طرح شکل وصُورت بنانے بلکہ اسلام کے خلاف قوانین پاس کرلے کو ہُنر سمجھتے ہیں۔ مشہور ہے کہ جب مصطفٰے کمال کا نیا نیا انقلاب آیا تو عُلمائے اسلام کو کشتی میں ڈال کر ڈبو دیا تھا اور قرآن کا رسم الخط انگریزی کر دیا تھا۔ عربی میں اذان دینے سے روک دیا گیا تھا اور اُن کے بعد سے دین سے بیزاری ہی ہے۔ تھوڑے سے افراد جنھیں دین اور دینداری کا خیال ہے کی صُورتیں حج میں نظر آجاتی ہیں جن لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار رہے ان کا یہ حال ہے کہ اسلام اور اسلام پسندوں کے

خلاف قانون بناتے رہتے تھے۔حال ہی میں ترکیا کے فوجی جنرل حسین کا بیان نشر کیا گیا ہے جس میں اُس نے کہا ہے کہ اگر ہمیں اسلام پسندوں سے ایک ہزار سال بھی لڑنا پڑا تو ہم لڑیں گے اُنھوں نے پارلیمنٹ پر زور دیا کہ وہ سیاست میں اسلام کو استعمال کرنے کے خلاف سخت سے سخت قوانین بنائے (بحوالہ روزنامہ اُردو نیوز ۵ ستمبر ۱۹۹۹ء) یاد رہے کہ یہ بیان زلزلہ آنے کے بعد دیا گیا ہے یہ اسلام پسندوں سے لڑنا اسی لیے تو ہے کہ اسلام کے احکام اور قوانین سے ضد اور عناد ہے۔

تقریباً دو ہفتہ پہلے جدّہ کے احباب کی تبلیغی جماعت ترکیا میں گشت کرکے آئی تھی۔اُنھوں نے بتایا کہ وہاں پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کیا کہ بارہ سال سے کم عمر کا کوئی بچّہ قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا اگر یہ بات صحیح ہے تو اس پر عمل کرنے سے مسلمان بچّوں کا کیا حال ہوگا۔آٹھ سے لے کر بارہ سال کے عمر تک بچّہ حافظ قرآن ہوجاتا ہے۔اس کا معنی یہ ہے کہ حفظ کا جو سلسلہ تھوڑا ہے وہ بھی بند ہوجائے اور بارہ سال کا بچّہ جو گزشتہ چھ سات سال دُنیاوی چیزوں میں لگا چکا ہو اب قرآن میں کیسے لگے گا بہت سے بہت دس فیصدی افراد ناظرہ قرآن شریف پڑھ لے گا اور ترکیا کا یہ واقعہ تو ابھی دو ماہ پہلے گزرا ہے کہ ایک پردہ دار عورت انتخابات میں کامیاب ہوگئی تو پردہ کرنے کی وجہ سے اسے پارلیمنٹ میں آنے سے روک دیا عجیب بات ہے کہ لوگ یُوں بھی نہیں کہتے کہ ہم مُسلمان نہیں ہے پھر قرآن سے اور اسلامی احکام سے دُشمنی بھی ہے۔

ایک ترکیا ہی کیا لیبیا سوریا الجزائر میں دینی مدارس ختم کردیے گئے ہیں۔پُرانے عُلماء اور مشائخ جو رہ گئے ہیں مسجدوں میں کچھ پڑھا دیتے ہیں اَب دشمنانِ اسلام چاہتے ہیں کہ جن ملکوں میں دینی مدارس ہیں عُلماء کرام ہیں اُن کو بھی ختم کردیا جائے اِس وقت دُشمنوں کی نظر سب سے زیادہ پاکستان پر ہے پاکستان میں الحمد للہ بڑے چھوٹے مدارس اسلام کے قلعے ہیں عُلماء بھی کثیر تعداد میں ہیں حق گو ہیں ہمّت اور حوصلہ سے بات کرتے ہیں اسلام اور احکام اسلام کے خلاف جو بولتا ہے اس کی آواز دبانے کی کوشش کرتے ہیں اُن کا وجود دُشمنوں کو کھلتا ہے کبھی انتہا پسند کہہ کر ان کو بدنام کرتے ہیں اور کبھی دہشت گرد کہہ کر اُن سے ڈراتے ہیں اور اُمّت کو دُور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

تقریباً دو سال پہلے الجزائر کا ایک طالب علم میرے پاس حدیث پڑھنے آتا تھا کچھ عرصہ کے بعد وہ اپنے وطن گیا۔کچھ دن کے بعد معلوم ہُوا کہ وہ واپس آگیا لیکن نہ ملتا ہے نہ پڑھنے آتا ہے میں

نے وجہ معلوم کی تو بتایا گیا کہ جب وہ اپنے وطن کے بارڈر پر پہنچے تو زبردستی وہاں کے قانون کے مطابق ان کی ڈاڑھی مونڈ دی گئی لہٰذا وہ سامنے آنے سے شرماتے ہیں افسوس ہے ملک مُسلمانوں کا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صُورت شریفہ سے نفرت کیا یہی ڈھنگ ہے مُسلمانی کا کیا ڈاڑھی کی دُشمنی کے لیے مُسلمان ہی رہ گئے ہیں۔ ڈاڑھی سے تو ہندوستان یورپ اور امریکہ میں بھی دُشمنی نہیں ہے۔

یہ بات عجیب ہے کہ مصطفٰے کمال سے لے کر آج تک جو اصحاب اقتدار مُسلمانوں کے ملکوں میں آتے جمہوریّت کے نام سے الیکشن جیتتے ہیں اور اسلام کا بھی دم بھرتے ہیں لیکن بات یہود و نصاریٰ کی مانتے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ وہ بھی گزرے ہیں جو یہودیوں کی خفیہ تحریک فری میسن کی ممبر بننے اور اپنے اقتدار کو اسلام کے خلاف استعمال کیا جب نصاریٰ نے سالہا سال صلیبی جنگوں میں شکست کھائی تو جنگ کرنا چھوڑ دیا اور مُسلمانوں کے اصحاب اقتدار یونیورسٹی کے طلباء پر ہاتھ رکھا اور اُن سے وہ کام لیے جو کافر بھی نہیں کر سکتے اور یہ بات عجیب ہے کہ جو لوگ اقتدار پر آتے ہیں یہود و نصاریٰ کے تابع ہونے کی وجہ سے اہل علم سے اور مدارس سے دُشمنی رکھتے ہیں کاغذات میں دستخط ظاہر صاحبِ اقتدار کے ہوتے ہیں حکم اُوپر سے دُشمنوں کا نافذ ہوتا ہے۔

اے مُسلمانو یہ کب تک چلے گا اسلام پر آؤ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فرماں برداری کرو نیک بنو، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ پر مر مٹو، دنیا تھوڑی سی ہے آخرت کی فکر کرو۔ فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور

حجاب سے خواتین منہ اور ناک کے ذریعے

لگنے والی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتی ہیں

کراچی (اے این این) حجاب پہننے سے خواتین منہ اور ناک کے ذریعے لگنے والی بیماریوں نزلہ، زکام اور مختلف جلدی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔ نواب شاہ میڈیکل کالج کیمونٹی میڈیسن ڈیپارٹمنٹ کی طالبات کی جانب سے کی جانیوالی تحقیق کے نتیجے میں جو باتیں سامنے آئی ہیں ان میں سے پردہ کرنے سے نہ صرف برے لوگوں کی نظروں سے بچا جا سکتا ہے بلکہ چہرے کی جلد اور بال مٹی دھول اور دھوپ کے مضر اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔

روزنامہ جنگ لاہور (16) 24 / مئی 2000ء

ماہ ربیع الاوّل اور مُسلمانوں کا طرزِ عمل

❁*❁

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمۃ

اَب سے تقریباً چودہ سو برس پہلے جب کہ کائنات انسانی بحرِ ظلمات میں غرق تھی، اور روحانیت، شیطنت سے مغلوب ہو رہی تھی۔ خلاقِ عالم نے اپنے آخری نبی اور محبوب ترین رسول حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم فداہ روحی وقلبی کو اس دُنیا میں بھیجا تاکہ آپ نورِ ہدایت سے ظلمات ضلالت کو شکست دیں اور حق کو باطل پر غالب کر دیں۔ ہمارے ماں باپ آپ پر نثار ہوں۔ آپؐ تشریف لائے اور آتے ہی باذن اللہ دُنیا کا رُخ پلٹ دیا، بندوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ خدا سے جوڑا۔ اور جو کم نصیب قعرِ مذلت میں گر چکے تھے۔ ان کو وہاں سے اُٹھا کر اوجِ رفعت پر پہنچایا۔ مشرکوں کو موحد بنایا اور کافروں کو مومن، بُت پرستوں کو خُدا پرست کیا اور بُت سازوں کو بُت شکن، رہزنوں کو رہنمائی سکھائی اور غلاموں کو آقائی، چور چوکیدار بن گئے اور ظالم غمخوار، اور جو دُنیا بھر کے آوارہ تھے وہی سب سے زیادہ متمدن ہو گئے اور جن کا قومی شیرازہ بالکل منتشر ہو چکا تھا وہ کامل طور پر منظم کر دیے گئے، روحانیت کے فرشتے شیطنت پر غالب آ گئے، کُفر و شرک، بدعت و ضلالت اور ہر قسم کی گمراہیوں کو زبردست شکست ہوئی۔ شقاوت و بدبختی کا موسم بدل گیا، ظلم و عدوان اور فساد و طغیان کا زور ختم ہو گیا، صداقت اور خیر و سعادت نے عالمگیر فتح پائی اور زمین پر امن و عدالت کی ایک ایسی بادشاہت قائم ہو گئی۔

جس وقت عالمِ انسانی کے اس منجیٔ اعظم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے اس عالمِ آب و گل میں اپنا پہلا قدم رکھا تھا وہ ربیع الاوّل ہی کا مہینہ تھا اور پھر جب آپؐ کا سن شریف چالیس برس کا ہوا تو اسی مہینہ میں اصلاح عالم کا کام آپ کے سپرد ہوا۔ پس اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ ربیع الاوّل ہی اس رحمتِ عامہ کے ظہور کا مبدأ اور روحانی خیرات و برکات کے وفور کا منبع ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب یہ ماہ مُبارک آتا ہے تو مُسلمانوں کے قلوب میں (حتّٰی کہ ان دلوں میں بھی جو دوسرے موسموں

ہیں بالکل غافل رہتے ہیں، اس وجودِ مقدس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور طرح طرح سے خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔

نعمائے الٰہی کی یاد سے خوش ہونا بُری چیز نہیں بلکہ حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ ہو تو ایک درجہ میں محمود ہے۔ لیکن آج مجھے عرض کرنا یہ ہے کہ :

آپ جشن کی ان گھڑیوں اور شادمانی کی ان ساعتوں میں اس قابلِ ماتم حقیقت کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ اس مقدس و مسعود وجود نے اس مُبارک مہینے میں نزول اجلال فرماکر آپ کو جو کچھ دیا تھا، آج آپ اپنی شامتِ اعمال سے سب کچھ کھو چکے ہیں۔

ربیع الاوّل اگر آپ کے لیے خوشیوں کا موسم اور مسرتوں کا پیغام ہے تو صرف اس لیے کہ اس مہینے میں دُنیا کی خزانِ ضلالت کو بہارِ ہدایت نے آخری شکست دی تھی اور اسی مہینہ میں وہ ہادی اعظم صلّی اللہ علیہ وسلّم رونق افروزِ عالم ہُوئے تھے۔ جنھوں نے تم پر روحانیت کے دروازے کھول دیے اور ساری نعمتیں تم کو دلوا دیں جن سے تم محروم تھے۔ پھر اگر آج تم ان کی لائی ہُوئی شریعت سے دُور اور ان کی دلائی ہُوئی نعمتوں سے محروم و مہجور ہوتے جا رہے ہو، تو کیا وجہ ہے کہ گزشتہ بہار کی خوشی تو مناتے ہو، لیکن خزاں کی موجودہ پامالیوں پر نہیں روتے۔

تم ربیع الاوّل میں آنے والے کے عشق و محبّت کا دعوٰی رکھتے ہو اور اس کی یاد کے لیے مجلسیں منعقد کرتے ہو، لیکن یہ نہیں سوچتے کہ تمہاری زبان جس کی یاد کا دعوٰی کر رہی ہے اس کی فراموشی کے لیے تمہارا ہر عمل گواہ ہے اور جس کی تعظیم و تکریم کا تم کو بڑا ادعاء ہے، تمہاری گمراہانہ زندگی، بلکہ تمہارے وجود سے اس کی عزّت کو بٹّہ لگ رہا ہے۔

اگر تمہارے اس دعوائے عشق و محبت اور ادعائے احترام و عظمت میں کوئی صداقت ہوتی اور تم کو درحقیقت ان سے غلامی کا ادنٰی سا تعلّق ہوتا تو تمہاری دینی حالت ہرگز اس قدر تباہ نہ ہوتی، تم اُن کی لائی ہُوئی شریعت سے ایسے بیگانہ نہ ہوتے، تم نماز کے عادی ہوتے اور زکوٰۃ پر عمل، تقوٰی تمہارا شعار ہوتا اور اتّباعِ سُنّت تمہارا طرۂ امتیاز، تم حرام و حلال میں فرق کرتے بلکہ مواقعِ شُبہات سے بھی بچتے، تمہاری زندگی نمونہ ہوتی، صحابہ کرام کا اور تمہارا ہر عمل مرقع ہوتا اسلام کا۔

پس جبکہ تمہارا یہ حال نہیں ہے اور تم اپنے دلوں سے پُوچھو وہاں سے بھی یہی جواب ملے گا کہ وہاں نہیں

مُحسنِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم

اُم الحسین صاحبہ راجگڑھ لاہور

ربیع الاوّل کا مہینہ تاریخی حیثیت سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس مہینے میں سرورِ کونین سیّد الثقلین ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم دُنیا میں تشریف لائے تھے، آپ کا دُنیا میں آنا صرف انسانیت پر ہی نہیں بلکہ سارے عالم پر خُدا کا بہت بڑا احسان ہے کیونکہ جس وقت آپ تشریف لائے اور دُنیا میں ہر چہار سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کسی کی جان مال، عزّت آبرو محفوظ نہ تھی۔

صحیح معنٰی میں نہ نصرانیّت کا وجود تھا نہ یہودیّت کا، ملّتِ ابراہیمی کے پیروکار بھی خال خال کہیں پائے جاتے تھے لوگ دین و مذہب سے ناآشنا تھے، خُدا کی عبادت کے بجائے بُتوں کو پُوجتے تھے۔ شراب پیتے تھے جوا کھیلتے تھے زنا کرتے تھے، سود لینا، رشوت کھانا عام تھا، کچھ بدنصیب معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، سالہا سال خونریز لڑائیوں میں مُبتلا رہتے تھے۔ ایسے معاشرہ میں آپ کا تشریف لانا اس اُمّت پر خدا تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے آپ نے آکر معاشرہ بہترین خطوط پر استوار کیا۔ مذہب بیزاروں کو مذہب سے آشنا، خُدا سے روٹھے ہوؤں کو خُداشناس بنا دیا۔

(۱) جو بُت پرست تھے وہ خدا پرست بن گئے۔

(۲) جو لوگ شراب پیتے تھے وہ روزہ دار بن گئے۔

(۳) جو لوگ سود اور رشوت لیتے تھے اُنھوں نے اِن کو چھوڑ کر خُدا کے راستہ میں خرچ کرنا شروع کر دیا

(۴) جو لوگ معصوم بچّیوں کو زندہ درگور کرتے تھے وہ یتیموں کو پالنے والے بن گئے۔

(۵) جو زنا کار تھے وہ زاہد شب زندہ دار بن گئے۔

(۶) قتل و قتال میں مُبتلا لوگ مجاہد بن گئے۔ الغرض معاشرہ کو سکون نصیب ہُوا۔

اکبر نے خُوب کہا ہے۔

دِل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

ایک شاعر نے اس سے بھی بڑھ کر بات کہی۔

ہوں لاکھوں درود اس آقا پر بُت لاکھوں جس نے توڑ دیے
دُنیا کو دیا پیغام سکوت طوفانوں کے رُخ موڑ دیے
اس مُحسنِ عالم نے کیا کیا نہ دیا انسانوں کو دستور دیا منشور دیا کچھ راہیں دیں کچھ موڑ دیے

خواتین پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا احسان مردوں سے زیادہ ہے اس لیے کہ اس زمانے میں خواتین پر جو مظالم ڈھائے جاتے تھے آج ہم اُن کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے وہ مظالم آپ کے تشریف لانے سے ہی ختم ہُوئے چند مظالم کا تذکرہ کرتی ہوں دیکھیے اس زمانہ میں عورت کی یہ حالت تھی۔

(۱) اسے وراثت میں سے کچھ نہیں ملتا تھا۔ عربوں نے یہ اُصول بنالیا تھا کہ وراثت کا مستحق صرف وہ ہے جو گھوڑے پر سوار ہو اور دُشمنوں کا مقابلہ کرکے اس کا مالِ غنیمت جمع کرے آپ نے اس ظُلم کو مٹا کر عورت کو وراثت کا حق دار قرار دیا۔

(۲) زمانہ قبل از اسلام مرد عورتوں کی جان و مال کا اپنے آپ کو مالک سمجھتے تھے عورت جس کے نکاح میں آگئی وہ اُسکی جان کو بھی اپنی ملک سمجھتا تھا۔

(۳) بعض اوقات بیوی کا کوئی قصور نہ ہونے کے باوجود مرد اسے لٹکائے رکھتا تھا نہ اس کے حقوق ادا کرتا نہ طلاق دیتا تھا۔

(۴) بعض اوقات یُوں ہوتا تھا کہ اگر شوہر مر گیا ہے تو اس کے وارث اس کی بیوہ کو کسی دوسری جگہ نکاح نہیں کرنے دیتے تھے۔

(۵) مرد مر جائے تو عورت کی عدّت پُورے ایک سال کی ہوتی تھی یہ آپ نے ختم کر کے صرف چار مہینے دس دن مقرّر کی۔

(۶) گزشتہ زمانہ میں جنگوں میں عورتوں کو بے دریغ قتل کر دیا جاتا تھا آپؐ نے عورتوں اور بچّوں کے قتل سے منع فرمایا۔

(۷) جاہلیّت کے نکاح چار طریقے کے تھے۔ ہر طریقہ ظلم و بربریت کا حامل تھا۔

ہم خواتین کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا زیادہ احسان مند ہونا چاہیے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یہ

سوچیں کہ آپؐ نے دُنیا کی اصلاح کے لیے کیا کیا تکلیفیں برداشت کیں کیسے کیسے ظلم وستم سہے ان کو سامنے لاکر ہم بھی دین کی تبلیغ کے لیے جس قدر ہو سکے کوشش کریں اور جس طرح آپ اللہ کی عبادت وطاعت میں مصروف رہتے تھے اسی طرح ہم بھی مصروف رہیں، لیکن افسوس صد افسوس کہ ہم لوگ اس حقیقت کو بھول کر منزل سے ہٹ گئے ہیں ہم بجائے آپ کے لائے ہوئے پروگرام کو لے کر چلنے کے صرف آپ کی ولادت کی خوشیاں منانے تک محدود ہو گئے ہیں۔

حالانکہ دین میں ولادت کی خوشی منانے کا کوئی تصوّر نہیں اگر ایسا ہوتا تو صحابہ وتابعین، اولیاء اور بزرگانِ دین ضرور ایسا کرتے لیکن کسی ایک صحابی اور تابعی سے بھی یہ طریقہ ثابت نہیں۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو بات یہ نظر آتی ہے کہ جس طرح ہم نے اپنی بود وباش، معاشرت ومعاملات اور لباس وپوشاک میں یہود ونصاریٰ کی پیروی شروع کر رکھی ہے ایسے ہی دین میں بھی ہم اُن کی رسمیں اپنانے لگے ہیں۔

نصرانیوں کو اپنے نبی کی سیرت کا کچھ علم نہیں لیکن وہ اپنے نبی کی صرف ولادت کے دن کو کرسمس ڈے کے طور پر مناتے ہیں۔ یہی حال ہمارے یہاں ہو گیا کہ ہمیں اپنے نبی کی سیرت کا کچھ علم نہیں، لیکن آپ کی ولادت کا دن ضرور منانا ہے حالانکہ آپ کی ولادت صحیح طور پر متعیّن نہیں اس سلسلہ میں متعدّد اقوال ملتے ہیں۔ بعض نے دو ربیع الاوّل بعض نے آٹھ ربیع الاوّل بعض نے ۹ ربیع الاوّل تاریخ ولادت بتلائی ہے۔ مشہور قول بارہ ربیع الاوّل ہے بہرکیف جو تاریخ بھی ہو ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمیں کیا پیغام دے گئے ہیں۔ آپؐ کی سیرت کیا تھی اور آپ کا اسوہ کیا تھا۔ اسی کے مطابق ہمیں اپنی زندگیوں کو ڈھالنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ : ماہِ ربیع الاوّل

کے ترانوں اور دیوار کی آرائشوں اور روشنی کی قندیلوں ہی میں اس کے مقصد یادگاری کو گم کردو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مُبارک مہینہ اُمّتِ مسلمہ کی بُنیاد کا پہلا دن ہے۔ خداوندی بادشاہت کے قیام کا اوّلین اعلان ہے۔ خلافت ارضی ووراثت الٰہی کی بخشش کا سب سے پہلا مہینہ ہے۔ پس اس کے آنے کی خوشی اور اس کا تذکرہ ویاد کی لذّت، یہ اس شخص کی رُوح پر حرام ہے جو اپنے ایمان اور عمل کے اندر اس پیغام الٰہی کی تعمیل واطاعت اور اسوہ حسنہ کی پیروی کے لیے کوئی نمونہ نہیں رکھتا۔

مرتبہ : محمد زید صاحب

عُلماء کی فضیلت

اور اُن کی لازمی صفات

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ کی آخری یادگار تقریر

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب نور اللہ مرقدہ اس دور میں سلف صالحین کی زاہدانہ پاک و صاف زندگی کا آئینہ تھے آپ نے جس طرح اپنی ذات کو عالمانہ صفات میں ڈھال لیا تھا اسی طرح آپکی خواہش تھی کہ مدارس میں پڑھنے والا ہر طالب علم اور علم دین سے نسبت رکھنے والا ہر عالم بھی انہی صفات میں ڈھل کر ایسا ماہتاب و آفتاب بنے جس کی روشنی سے پورا عالم منور ہو جائے ۔ اس جذبۂ دروں کا اظہار آپ اپنے مواعظ میں بار بار فرماتے رہتے تھے ۔ حتیٰ کہ وفات (۲۱/۸/۹۷ء) سے صرف ایک ہفتہ قبل جامعہ عربیہ ہتھورا کے طلباء کے سامنے بھی اسی موضوع پر انتہائی مؤثر، ولولہ انگیز اور حقیقت افروز بیان فرمایا ۔ یہ بیان واقعی اس قابل ہیکہ ہر مدرسہ میں اساتذہ و طلبہ کو جمع کر کے انھیں بار بار سنایا جائے بلکہ اہل مدارس اسے کتابی شکل میں شائع کر کے طلبہ تک پہونچائیں ۔ ہم جناب مفتی محمد زید صاحب مظاہری کے مشکور ہیں جن کی توجہ سے یہ قیمتی ذخیرہ ہم تک پہونچا ۔ اللہ تعالیٰ اسے ہماری اصلاح کا ذریعہ بنائے ۔ آمین ۔

مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی، اما بعد :

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الناس کلھم ھالکون الا العالمون ۔ (الحدیث)

عالِم کے سوا سب ہلاک ہونے والے ہیں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے لوگوں کو ہلاک ہونے والا فرمایا ہے ۔ سوائے اہلِ علم کے، جن کو اللہ کی معرفت حاصل ہو اور جو اپنے رب کو پہچانتے ہیں ۔ عالم کہتے ہی اس کو ہیں جن کو اللہ کی معرفت کا علم حاصل ہو، جس کے ذریعہ وہ اللہ کو پہچان سکے، محض دس سال کا کورس کر لینے اور بخاری پڑھ لینے کو عالم نہیں کہتے ۔ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جو رسمی عالم نہیں ہوتے لیکن اللہ کی معرفت والے

ان کو حاصل ہوتی ہے اور اللہ کے نزدیک وہ عالم ہوتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک تو عالم وہی ہے جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہو۔ (اور یہ معرفت حاصل ہوتی ہے قرآن و حدیث کے ذریعہ اور بعض اللہ کے بندوں کو وہبی طور پر بھی اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ) بہت سے ایسے بزرگ گزرے ہیں جو رسمی عالم نہیں، لیکن بڑے بڑے عالموں نے ان سے کسبِ فیض کیا ہے۔

چند بزرگوں کے حالات

شیخ عبدالعزیز دبّاغ رحمۃ اللہ علیہ ڈیڑھ صدی قبل مصر میں ایک بزرگ گزرے ہیں، شیخ عبدالعزیز دبّاغ رحمۃ اللہ علیہ جو بالکل اُمّی اَن پڑھ تھے، لیکن اللہ نے ایسے علوم عطا فرمائے تھے کہ ان کے سامنے کوئی عبارت پیش کی جاتی تو وہ اُس کے انوار و برکات سے پہچان لیتے تھے کہ یہ قرآن کی آیت ہے یا حدیث پاک ہے، یا کسی اور کا انسانی کلام ہے۔ فرماتے تھے کہ کلام اللہ کا نُور کچھ اور ہوتا ہے اور حدیث پاک کا نُور اس سے مختلف ہوتا ہے اور انسانی کلام میں وہ نُورانیت نہیں ہوتی۔

سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ : حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیجیے جو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد ہیں جب کتاب لے کر بیٹھے، اپنے اُستاد سے عرض کیا کہ حضرت، حروف دکھائی نہیں دیتے، کیسے پڑھوں۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا کتاب بند کرو، اللہ تعالیٰ تم کو دوسری راہ سے علم دے گا، چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے علوم عطا فرمائے کہ مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ اُن کے پیچھے پیچھے چلتے اور اُن کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ : حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ ایسے بزرگ ہیں جو عالم تو نہ تھے، صرف کافیہ تک پڑھے ہوئے تھے، لیکن حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ جیسے لوگ اُن کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے۔ ان کی خدمت میں جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے تھے۔ آخر کوئی تو چیز حاجی صاحبؒ میں تھی جس کی وجہ سے حضرت گنگوہیؒ ان کے پاس جاتے تھے۔

توکل شاہؒ : حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک بزرگ گزرے ہیں سائیں توکل شاہ۔ یہ بھی اَن پڑھ تھے لیکن بڑے بڑے عُلماء ان کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ خود اُن کی مجلس میں بیٹھتے تھے۔ ان ہی بزرگ کا قصّہ ہے کہ ایک شخص

نے بطورِ امتحان کے یا واقعۃً پُوچھا کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی وضو کرتا ہے تو فرشتے رحمت کی چادر سے اس کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ اگر باتیں کرتا ہے تو فرشتے چادر چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ سوال یہ کیا کہ جب فرشتے چادر چھوڑ دیں تو اور اچھا ہے کہ وہ رحمت کی چادر اس پر آجائے گی، رحمت اس کو ڈھانپ لے گی۔ حضرتؒ نے جواب دیا کہ رحمت کی چادر نیچے نہیں آتی اُوپر جایا کرتی ہے۔ ہم سے کوئی پُوچھتا تو ہم بھی یہی جواب دیتے کہ جب ہر ثقیل شئ کا مرکز نیچے ہے اور وہ نیچے آکر گرتی ہے تو یہ چادر بھی نیچے گرے گی۔

شاہ عبدالغفور صاحبؒ : حضرت مولانا منظور صاحبؒ نے مجھ سے بیان کیا کہ شاہ عبدالغفور صاحبؒ حضرت تھانویؒ کے مرید خاص تھے۔ حضرت تھانویؒ نے جب ان کو خلافت دی ہے اس وقت اُنھوں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو ہر اعتبار سے گھٹیا ہوں۔ علم کے اعتبار سے بھی اور ذات کے اعتبار سے بھی میں تیلی ہوں اور اَن پڑھ ہوں۔ میں اس کا اہل نہیں۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا تم کیا جانو میں جانتا ہوں۔ تم تیلی ہو۔ لوگوں کا تیل نکالو گے (یعنی لوگوں کی اصلاح کرو گے) واقعی اللہ نے ان سے بڑا کام لیا اور وہ ایسی ایسی دقیق باتیں بیان کرتے تھے جو کتابوں میں نہیں ملتیں۔ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ، مولانا منظور احمد صاحبؒ جیسے لوگ ان کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے، ندوہ تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز قیام فرماتے تھے۔ جب وہ ندوہ جاتے تو میں بھی حاضر ہوتا تھا۔

حضرت مولانا امین الدین صاحبؒ : آپ رشتہ میں میرے ماموں تھے، پانی پت سے تعلق تھا۔ مولانا نور محمد صاحبؒ کے شاگرد تھے۔ صرف کافیہ وغیرہ پڑھے تھے۔ اہل ہتورا کا پانی پت سے خاص تعلق تھا۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ نے ایک عرصہ تک یہاں قیام فرمایا۔ قاری صاحب کے بعد ملّا عبدالسّلام کی آمد و رفت رہی۔ مولانا امینؒ پانی پت میں کافیہ وغیرہ پڑھتے تھے۔ یہاں کے لوگوں نے مولانا عبدالسّلام سے عرض کیا کہ حضرت پُورا ضلع خالی ہے۔ دُور دُور تک کوئی مدرسہ نہیں ہے۔ مولوی امین الدّین صاحب کو یہیں روک دیجیے۔ یہاں مکتب قائم کریں۔ بچّوں کو پڑھائیں۔ حضرت نے مولوی امین الدّین صاحبؒ سے کہا، مولوی امین الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو معلوم ہے، میری تعلیم جاری ہے، کافیہ تک پہنچا ہوں، میری تعلیم رہ جائے گی۔ حضرت نے تھوڑی دیر مراقبہ کیا اور فرمایا مولوی امین الدّین یہیں ٹھہر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے اللہ تم سے کام لے گا۔

چنانچہ رُک گئے۔ مولوی امین الدین صاحبؒ میرے بھی اُستاذ ہیں۔ یہ واقعہ اُنھوں نے مجھ سے خود

بیان کیا ہے۔ یہ اُنھیں کا فیض ہے کہ میں نے بھی پڑھ لیا۔ میرے دادا کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ مولوی امین الدین صاحبؒ ہی نے مجھے پڑھایا۔ ورنہ مجھے کوئی پڑھانے والا نہ تھا۔ وہ نہ ہوتے تو میں بھی نہ پڑھ پاتا اور دوسروں کی طرح میں بھی گھانس کھودتا اور مجھے تو گھانس کھودنا بھی نہیں آتا۔

مولوی امین الدین صاحبؒ گھوڑی پر سوار ہو کر باندہ جاتے تھے۔ لگام پکڑ کر میں خود چلتا تھا جب باندہ پہنچتے تو شہرت ہو جاتی کہ مولانا امین الدین آئے ہیں۔ عصر بعد مجلس لگتی۔ جس میں بہت سے پڑھے لکھے لوگ جمع ہوتے تھے، مجلس میں مثنوی شریف ایسے انداز سے پڑھتے تھے کہ سُننے والے سب مست ہو جاتے تھے۔ پُورے علاقے میں ان کے ذریعہ بہت فیض ہوا۔ اور واقعی اس علاقہ میں علم کو اُنھوں نے زندہ کیا۔ گاؤں گاؤں جا جا کر لوگوں کو پڑھایا ہے۔ کبھی اور گاؤں اور کبھی اس گاؤں میں، اور یہ خاص بات تھی کہ کیسا ہی کند ذہن لڑکا ہو یا لڑکی، جس کو اُنھوں نے قرآن پڑھا دیا وہ پڑھ ہی گیا۔ اُن کے پڑھائے ہوئے لوگ بہت اچھا قرآن شریف پڑھتے تھے۔ اب بھی کچھ لوگ موجود ہیں۔ ان کی صرف ایک لڑکی تھی، پُوری جائداد مکان سب مدرسہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس طرح پُورے علاقہ میں ان کا فیض جاری ہوا اور یہ سب اس وجہ سے کہ اپنے اُستاد کے حکم پر اُنھوں نے عمل کیا۔

آج کے طلباء کی بدحالی

اور آج طالب علم خود رائی کرتا ہے۔ اپنی مرضی سے عمل کرتا ہے۔ اپنے بڑوں سے نہ مشورہ لیتا ہے نہ اُن کی بات پر عمل کرتا ہے۔ خواہ ایک لفظ نہ آتا ہو لیکن سند لے کر دوسروں کو دکھاتا ہے اپنی شہرت کرانا چاہتا ہے۔ دورہ کا سال دورہ کا نہیں۔ ڈورے ڈالنے کا سال ہوتا ہے کہ آئندہ مجھے کیا کرنا ہے۔ کسی دفتر میں نوکری مل جائے گی یا طبیہ کالج میں داخلہ لینا ہے، دوبئی پہنچنا ہے۔ اسی وجہ سے آج کل کے فارغین سے کوئی فیض نہیں پہنچ رہا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سارے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں، سوائے عُلماء کے اور عُلماء سے مُراد وہ ہیں جن کو اللہ کی معرفت حاصل ہو، عالم تو وہ ہے جس کا علم اس کو جنّت کی طرف لے جائے، عالم تو وہ ہے جو اللہ کو راضی کرے۔

اخلاص نہ ہو تو علماء بھی ہلاک ہونے والے ہیں

آگے فرمایا کہ علماء بھی ہلاک ہونے والے ہیں، مگر مخلصین بھی خطرہ میں ہیں۔ اخلاص کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں اور اس میں بڑا دھوکا ہوتا ہے۔ بسا اوقات شروع میں اخلاص ہوتا ہے بعد میں اخلاص نہیں رہتا شیطان تو ہر وقت پیچھے لگا ہُوا ہے۔ اخیر اخیر تک خطرہ رہتا ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ اس کو شہرت کے فتنہ میں مُبتلا کر دے۔ آدمی یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح میری شہرت ہو جائے۔ میرے کارناموں کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ حدیث پاک میں ریا کو شرک کہا گیا ہے۔ ایسے شخص کو لوگ تو عالم سمجھتے ہیں اور اللہ کے نزدیک وہ مشرک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کی نعمت سے نوازا ہے تاکہ اس کے مطابق عمل ہو اور عمل میں جان پیدا ہوتی ہے اخلاص سے، اور اس کے ساتھ اخلاص کی حفاظت کا سامان بھی ہو ورنہ شیطان تو ایک ایک منٹ میں اس کے اخلاص کو ضائع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے ہر وقت نگرانی کی ضرورت ہے۔ بہت کم لوگ اس سے بچ سکے ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ابھی ایسے لوگ موجود ہیں دُنیا ابھی خالی نہیں ہُوئی ہے۔

علم دین کو دُنیا کمانے کا ذریعہ مت بناؤ

ہم کو غور کرنا چاہیے کہ علم دین کیوں حاصل کر رہے ہیں۔ علم سے مقصود سند حاصل کرنا، دُنیا کمانا مقصود ہے یا کچھ اور؟ سُنار سونے کا کام کرتا ہے، دُنیا کمانے کے لیے۔ لوہار لوہے کا کام کرتا ہے دُنیا حاصل کرنے کے لیے۔ اگر کسی نے علم دین بھی دُنیا کے لیے حاصل کیا تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی ڈاکٹری کا کورس پڑھ کر پیسہ کماتا ہے، بلکہ اس سے بدتر۔ دُنیا کمانے کو میں ناجائز حرام نہیں کہتا لیکن علم دین کو اس کا ذریعہ کیوں بنائے۔ یہاں پہلے سے نیت ہوتی ہے کہ بورڈ کا امتحان دے کر ملازمت کر لیں گے، تنخواہ ملے گی۔ علی گڑھ میں امتحان دے لیں گے۔ ڈگری ملے گی۔ علم دین کو دُنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ایسے شخص کو جنّت کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ یہ علم دین کی کتنی ناقدری ہے کہ وہ علم جو اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے وہ علم جو جنّت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اس کو ٹھیکروں کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے۔

علم دین کو صنعت وحرفت بنا لیا جائے۔ علم دین کے ذریعہ پیسہ کمانے والے کو عالم نہیں کہتے عالم تو وہ ہے جس کو اس کا علم جنّت کی طرف لے جائے۔ عالم تو وہ ہے جو اس کے رب کو اُس سے راضی کر دے۔

اگر دُنیا ہی کمانا ہے تو دُنیا کمانے کے بہت سے ذرائع ہیں ان کو اختیار کرو۔ میں اس کو منع نہیں کرتا لیکن علم دین کو دُنیا کمانے کا ذریعہ مت بناؤ۔ ہمارے اکابر نے سب کر کے دکھلایا ہے۔ کوئی ہانڈی بناتا تھا، کوئی حجام تھا۔ دنیا کمانے کا پیشہ کچھ اور تھا اور علم دین کے امام تھے۔ میرے ایک اُستاد لکڑی کی تجارت کرتے تھے۔ فجر بعد فوراً اسباق پڑھانا شروع کر دیتے تھے۔ تین گھنٹہ میں سارے اسباق پڑھا دیتے۔ اس کے بعد اپنا کاروبار دیکھتے۔ لکڑی کا ٹال تھا وہاں جاتے پڑھانے کے پیسے کچھ نہ لیتے تھے۔ اگر دُنیا کمانا ہے کوئی جائز دھندا کر لو، لیکن علم دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ مت بناؤ۔ اور جب پہلے ہی سے دُنیا کمانے کی نیت ہے تو خلوص کہاں رہا اور جب خلوص نہ ہو تو پھر ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

اخلاص باقی رکھنے کا طریقہ

اخلاص پیدا نہیں ہو سکتا اور اگر ہو گیا تو باقی نہیں رہ سکتا جب تک کہ اخلاص والوں سے تعلّق نہ ہو، جو لوگ خالص اللہ کے واسطے کام کرتے ہیں ان سے تعلّق اختیار کیے بغیر اخلاص باقی تو کیا حاصل ہی نہیں ہوتا اور اگر حاصل ہو بھی گیا تو باقی نہیں رہتا اگر واقعی مخلص بننا ہے، ہلاکت سے بچنا ہے تو اللہ کے نیک مخلص بندوں سے تعلّق قائم کرو۔ ان کی برکت سے تمہارے اندر بھی اخلاص پیدا ہو جائے گا۔

ہمارے اکابر کا علمی شغف

ہم تو مدرسہ میں پڑے ہیں، کچھ پروا نہیں، دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا دونوں وقت آرام سے پیٹ بھر کر کھانا ملتا ہے۔ دن بھر میں بس ایک ہی مشغلہ ہے علم دین حاصل کرنا، اپنے اکابر کے حالات کو دیکھو، انھوں نے کس طرح علم دین حاصل کیا ہے۔ اس قدر انہماک تھا کہ کھانے تک کی فرصت نہ ملتی تھی۔ مطالعہ کرتے جاتے اور کھاتے جاتے تھے، کچھ پروا نہیں، کیا کھا رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رح فرماتے ہیں کہ میری ایک پھوپھی تھیں وہ مجھے شام کو کھانا کھلایا کرتی تھیں جب وہ انتقال کر گئیں تو کوئی کھانا کھلانے والا نہ رہا۔ شام کے وقت کھانا کھانا ہی چھوڑ دیا۔ پھر شام کو کھانے کی عادت ہی چھوٹ گئی۔

حضرت مولانا عبدالعلی صاحب رح ۱۷ سال کی عمر میں فارغ ہوگئے تھے۔ ابھی بچپن ہی تھا، کوئی کچھ بھی بن جائے، شیخ و اُستاد ہی کیوں نہ ہوجائے۔ بچپن بچپن ہی ہوتا ہے ورنہ بوڑھا نہ ہوتا ان کی ماں پریشان ہوتی تھیں کہ یہ کچھ کرتا نہیں، ٹہلتا پھرتا ہے۔ پتنگ اُڑاتا ہے، ایک مرتبہ کی بات ہے کہ کچھ لوگ کسی کتاب کا تکرار کر رہے تھے اور کسی مسئلہ میں اُلجھے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے پوچھا کیا بات ہے کون سا مسئلہ ہے؟ کہا کچھ نہیں صاحبزادہ صاحب آپ جائیے۔ آپ کو اس سے کیا مطلب، آپ تو پتنگ اُڑائیے جاکر۔ یہ جملہ سُننا تھا کہ دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ اسی وقت گھر آئے پتنگ توڑ پھوڑ کر پھینکی اور والدہ سے کہا کہ آج سے کمرہ خالی کر دو میں پڑھنا شروع کروں گا کھانا یہیں بھیج دیا کرنا۔ والدہ بہت خوش ہوئیں۔ اس کے بعد جو کتابوں کا مطالعہ شروع کیا ہے۔ اس قدر علمی انہماک ہوتا تھا کہ نہ کھانے کا خیال، نہ پینے کا، بسا اوقات صبح کا کھانا شام کو کھایا جارہا تھا اور شام کا صبح کو، سات سال تک اسی طرح انہماک کے ساتھ مطالعہ کیا ہے حجرہ سے باہر ہی نہ نکلتے تھے، بس ضروریات نماز وغیرہ کے لیے باہر آتے تھے، یہ ہمارے ہی جیسے انسان تھے فرشتے نہ تھے۔

ہمارے اکابر نے اس طرح علم حاصل کیا ہے کہ سال سال بھر گھر کی شکل نہ دیکھتے تھے۔ قنوج سے ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر بلگرام ایک قصبہ ہے وہاں ایک عالم گزرے ہیں۔ علم دین کی وجہ سے گیارہ سال تک اپنے گھر نہیں گئے۔ علم ایسے حاصل ہوتا ہے ہماری طرح نہیں کہ ذرا سی بات میں گھر چلے گئے۔ چھٹی لیے بغیر گھر بھاگ گئے اس طرح کہیں علم حاصل ہوتا ہے۔ مدرسہ کے قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ جو مدرسہ میں رہتا ہے اس کو علم حاصل نہیں ہوتا، محرومی کے اور بھی اسباب ہیں ان میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب جی چاہا مدرسہ سے چلے گئے اور جب جی چاہا مدرسہ میں داخل ہوگئے۔ رعایت میں سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کھانا بند کر دیا جائے یا سختی کی جائے تو پڑھائی چھوڑ دیں گے۔ بھینس چرائیں گے جاکر۔ اس لیے سب کچھ برداشت کرنا ہے۔

محنت کے بغیر علم حاصل کرنا

علم یُوں ہی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جن لوگوں کو کچھ حاصل ہوا ہے، محنت کے بعد ہی حاصل ہوا ہے۔ سونا چاندی آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ سونا کیا، نمک بھی تو بغیر محنت کے نہیں ملتا۔ کچھ تو محنت کرنی پڑتی ہے۔ دُنیا میں کوئی چیز بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی، کیا علم ہی ایسا ہے کہ بغیر محنت کے حاصل ہو جاتے۔ اگر کسی کو ہو بھی جائے تو وہ کام کا نہیں ہوتا۔ یہ علم کوئی علم نہیں ہے۔ یہ علم جنّت تک پہنچانے والا ہے۔

مدرسہ کی زندگی بڑی خیر و برکت کی زندگی ہے۔ اللہ نے مدرسہ میں پہنچا دیا۔ یہ بڑی نعمت ہے۔ مدرسہ تمام گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ اور حصار ہے۔ مدرسہ میں رہ کر آدمی تمام گناہوں سے بچ سکتا ہے، لیکن ہم نے اس نعمت کی بھی ناقدری کی۔ مدرسہ میں رہ کر کوئی گناہ نہیں جو ہم سے چھوٹ جائے۔ اللہ نے مدرسہ میں قدردانی کے لیے بھیجا تھا، لیکن ہم نے اس کی ناقدری کی لئن شکرتم لازیدنکم ولان کفرتم ان عذابی لشدید اللہ کا قانون ہے کہ اگر تم نعمتوں کا شکر کرو گے ہم اور اضافہ کریں گے، ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

مدرسہ میں رہ کر مدرسہ کی یہ ہم نے قدر کی ہے؟ کونسا گناہ ہم سے نہیں چھوٹا، سینما ہم سے نہ چھوٹے۔ نماز میں کوتاہی ہم کریں۔ اسباق کا ناغہ ہم کریں۔ کیا ایسوں کو علم حاصل ہوتا ہے

طلبہ کو نصیحتیں

گناہوں کے قریب تک نہ جاؤ۔ قریب گئے تو پھر بچنا مشکل۔ اپنے آپ کو گھیر لو، ایک منٹ بھی خالی نہ رکھو تاکہ گناہ کا موقع نہ ملے۔ ہر وقت تکرار و مطالعہ، سبق کی دھن میں لگے رہو، دوسرے کاموں کے لیے ذہن ہی فارغ نہ ہو۔ علم کے علاوہ کسی اور طرف جس کا ذہن جائے یا کھانے پینے اور سیر و تفریح کی طرف جس کا ذہن جائے وہ طالب علم طالب علم نہیں۔ حدیث پاک میں جس طالب علم کی فضیلت آئی ہے۔ جن کے لیے فرشتے پَر بچھاتے ہیں اس سے مُراد ایسے طالب علم ہوتے ہیں جو تمام گناہوں سے بچتے ہیں۔ ہر وقت اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، جو نہیں آتا اُس کو سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی

مطالعہ کر رہے ہیں، کبھی صیغہ کی مشق کر رہے ہیں ان کا کوئی وقت ضائع نہیں رہتا۔

اور ہمارا کیا حال ہے، خالی اوقات میں کیا کرتے ہیں، خود جانتے ہیں، ہم تو خالی اوقات سیر و تفریح میں گزارتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جو گھنٹہ خالی ہو، اس میں بھی کتاب دیکھتے، تکرار کرتے، حالت تو یہ ہے کہ املاء صحیح نہیں۔ مضمون لکھنا نہیں آتا۔ صحیح عبارت نہیں آتی اور ذرہ برابر فکر نہیں، رنج غم نہیں۔ قناعت کیے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ایک دکاندار کی دکان نہ چلے اس کو فکر ہوتی ہے کوشش کرتا ہے۔ ہم کو کچھ نہیں آتا۔ کورے کے کورے ہیں اور کچھ کوشش بھی نہیں کرتے۔ یہ حالت اچھی نہیں۔ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں حاضری کے ڈر سے کہ کہیں کھانا نہ بند ہو جائے۔ پانچ پیسے کا ہمارا نقصان ہو اُس کا تو ہم کو افسوس ہوتا ہے اور پانچ وقت کی نماز چھوٹ جائے اس کا کچھ غم نہیں۔ گھر سے پیسہ آتا ہے، سوائے مٹھائی ناشتہ سے کیا کہیں اور بھی خرچ ہوتا ہے؟ ایمانداری سے بتاؤ، جو طالب علم اتنا خوشحال ہو کہ اس کے گھر سے ہر مہینہ پیسے آتے ہوں، لباس جوتا اعلیٰ قسم کا، ہزار روپے کی گھڑی پہنے ہو۔ ایسے طلبہ کے لیے کیا مدرسہ سے کھانا کھانا جائز ہوگا؟ آج دیانتداری کا فقدان ہے۔ استطاعت کے باوجود مدرسہ کا کھاتے ہیں۔ دیانتداری کی بات تو یہ بھی ہے کہ جس مہینہ میں پیسے زیادہ آجائیں طالب علم دفتر میں جا کر اطلاع کر دے کہ میرے گھر سے پیسہ آگیا ہے اتنے دن کی خوراک بند کر دیجیے۔

امام شافعیؒ کا حال

امام شافعیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ زمانہ طالب علمی میں ایک دن سبق میں غیر حاضری ہو گئی استاذ کو تعجب ہُوا، فکر ہُوئی کہ کیوں نہیں آئے۔ وہ تو کبھی ناغہ کرتے نہیں تھے۔ کیا آج ہمارے اُستادوں کو بھی طالب علم کی غیر حاضری پہ افسوس ہوتا ہے؟ فکر ہوتی ہے کہ طالب علم کیوں نہیں آیا۔ حالانکہ یہ واقعی فکر کی بات ہے۔ دکاندار کی بکری کم ہو جائے، کیا اس کو فکر نہیں ہوتی؟ دکاندار کا نقصان نقصان ہے اور دین کا نقصان نقصان نہیں ہے؟ الغرض امام شافعیؒ کی غیر حاضری کی وجہ سے استاد کو فکر ہُوئی، اس زمانہ میں آج کی طرح دار الاقامہ کی شکل کے مدرسہ تو تھے نہیں۔ طلبہ رہنے اور کھانے کا انتظام اپنا خود کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آج کل مدرسوں کی یہ سہولتیں پیدا فرما دیں ایک جگہ ایک آدمی نے پچاس لاکھ روپے تنہا مدرسہ کے لیے دیے تھے ایک صاحب نے مسجد بنانے کے لیے تنہا ایک کروڑ

روپے دیے تھے ۔میرے پاس مجھ سے بھی پوچھنے آئے تھے ۔ مَیں نے انکار کر دیا ۔ الغرض اس زمانہ میں آج کی طرح مدرسہ نہیں تھے ۔ امام شافعی رح کی غیر حاضری کی وجہ سے ان کے اُستاد کو فکر ہُوئی ایک طالب علم کو بھیجا تحقیق کر کے آؤ کیا بات پڑھنے کیوں نہیں آئے ۔ معلوم ہُوا کہ اُن کے پاس کپڑے نہیں ننگے بدن کیسے آئیں بدن پر جو کپڑے تھے ایک شخص سے قرض لیا تھا پاس میں پیسے نہیں ، انھیں کپڑوں سے قرض ادا کر دیا حدیث پاک پڑھی تھی کہ مقروض کا انجام اچھا نہیں ہوگا ۔حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے ۔ قیامت کے روز قرض والے کو مقروض کی نیکیاں دلا دی جائیں گی ۔ مَیں نے سوچا کہ اسی حال میں اگر میرا انتقال ہوگیا تو میرا کیا حشر ہوگا ۔امام شافعیؒ کا حدیث پر اتنا عمل اور موت کا اتنا استحضار تھا جو پڑھتے جاتے اس پر عمل کرتے جاتے ۔ یہ سوچا کہ یہاں پر پیسے دینا ہوگا اور وہاں نیکیاں لی جائیں گی ۔ ادائیگی قرض کے لیے میرے پاس پیسے تو تھے نہیں ۔بس یہی ایک جوڑا کپڑا تھا ، اسی سے قرض ادا کر دیا ۔ اب پہننے کے لیے کپڑے نہیں ، کیسے پڑھنے آؤں اور کسی سے کچھ مانگنے اور احسان لینے کو غیرت گوارا نہیں کرتی ۔ ان سے پُوچھا گیا کہ آپ ہی بتائیے پھر کیا شکل کی جائے ؟ فرمایا مجھ سے کچھ کام لے لیں ، کچھ لکھوا لیں اور اس کی اُجرت مجھ کو دے دیں ، چنانچہ یہ صورت اختیار کی گئی ۔ یہ ہیں امام شافعی رح جن کے تقوٰی کا یہ عالم تھا ۔ مقروض بھی ہُوئے تھے تو کیا کھانے پینے کی وجہ سے ؟ قلم دوات کی وجہ سے مقروض ہُوئے ہوں گے ۔ آج ہم مقروض ہوتے ہیں جلیبی پکوڑی کھانے کی وجہ سے ۔ قرض کو آسان سمجھ رکھا ہے ۔ اگر آج شافعی بننا چاہیں تو کیا نہیں بن سکتے ۔ تقوٰی دیانت شرط ہے ۔ مدارس خالی پڑے ہیں ، تقوٰی و دیانتداری کے بغیر محض علم سے کچھ نہیں ہوتا ۔ محض بلب سے کیا ہوتا ہے جب تک کنکشن نہ ہو ۔ محض میٹر سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ گیس نہ ہو ۔ سو سو شیخ الحدیث ایک گاؤں کو نہیں سنبھال پا رہے ہیں ، جب کنکشن صحیح نہیں ہوگا ۔ اخلاص ، تقوٰی ، دیانت کا فقدان ہوگا تو محض علم سے کچھ نہیں ہوگا ۔

ایسا بننے کی کوشش کرو

تم تو ایسے بنو اور وہ زندگی اختیار کرو کہ کروڑپتی تم کو دیکھے ، اس کے مُنہ میں پانی آجائے کہ کاش ہماری زندگی ایسی ہوتی ، لیکن ہماری حالت اُلٹی ہے ۔ انگریزی اسکولوں کالجوں میں جانے میں تو مُنہ میں پانی آتا ہے اُن کی زندگی دیکھ کر تو رشک آتا ہے ۔ ہماری زندگی دیکھ کر تو رشک نہیں آتا ۔جیسی ہماری

نیت ہے، جیسے ہمارے اعمال ہیں ویسا ہی نتیجہ مرتّب ہو رہا ہے۔ اچھی نیت ہوتی تو اچھا نتیجہ مرتّب ہوتا، فاسد نیت ہے تو فاسد نتیجہ مرتّب ہو رہا ہے کسی کار کا ہر پُرزہ خراب اور زنگ آلود ہو تو کہاں تک اس کی اصلاح کی جائے گی۔ ہمارا حال بھی اسی طرح کا ہے دلوں میں زنگ لگا ہُوا ہے۔ نیت، اعمال، اخلاق سب فاسد، کہاں تک اصلاح کی جائے جس کا دِل زنگ آلود ہو چکا ہو۔ جو خود کچھ نہ بننا چاہے اس کی اصلاح نہ قرآن کر سکتا ہے نہ حدیث نہ نبی نہ ولی ہماری زندگی تو دوسروں کے لیے عبرت کی اور نمونہ کی زندگی ہونی چاہیے۔ تم بتلاؤ کیا تمہاری زندگی واقعی ایسی ہے؟ کیا طالب علم ایسے ہوتے ہیں جن سے نماز کی بھی پابندی نہیں ہوتی کتنے شرم کی بات ہے۔ مدرسہ و مسجد میں طلبہ کی حاضری لی جائے؟ ارے اس حاضری سے کیا ہوتا ہے۔ فرشتے حاضری لیتے ہیں اور اصل حاضری وہی ہے۔ رجسٹر وہ کام آئے گا جو فرشتوں کے پاس ہے۔ جنّت اسی رجسٹر سے ملے گی، اللہ کے یہاں اسی رجسٹر کا اعتبار ہوگا۔ یہاں کی حاضری سے تو صرف کھانا مل جائے گا۔ اور بس۔ یہ دیکھو کہ فرشتوں کے رجسٹر میں بھی تم حاضر ہو یا نہیں؟ ابھی موقع ہے نیک بننے کی کوشش کرو۔

سہارن پور میں میری زمانہ طالب علمی میں طلبہ کی اچھی خاصی جماعت تھی جو تہجد کی پابند تھی۔ وہ مدرسہ مدرسہ نہیں جہاں فجر سے پہلے سون سان سنّاٹا پڑا رہے۔ کوئی رونے دھونے والا نہ ہو۔ ذکر و تلاوت کی آوازیں نہ آرہی ہوں۔ کم از کم فجر کی اذان سے ۱۵ منٹ پہلے اُٹھ جایا کرو۔ دو چار رکعت پڑھ لو، آنسو بہاؤ، اللہ کو یاد کرو۔ اور اگر اس وقت آنکھ نہیں کھلتی، نہیں اُٹھ سکتے تو کم از کم عشاء بعد سونے سے پہلے ہی تہجد کی نیت سے دو چار رکعت پڑھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس میں بھی تہجد کا ثواب دیں گے۔ تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز باجماعت کی پابندی کرو۔ اب تک نہیں کر سکے یا اتفاق سے چھوٹ جاتی تھی تو اس کی عادت ڈال لینا چاہیے؟ غلطی سے زہر پی لیا تو کیا ہمیشہ زہر پیو گے؟ اگر غلط عادت پڑ گئی تھی، اُس کو چھوڑنا چاہیے۔ نہ یہ کہ اسی پر جما رہے۔

تم لوگ آج فیصلہ کرو کہ نماز نہ چھوڑو گے۔ تقوٰی والی زندگی اختیار کرو گے۔ بڑے بڑے ڈاکوؤں نے جب زندگی بدلنے کا فیصلہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت بدل دی ہے جو خدا برسہا برس کے گنہگار بندے اور ڈاکو کو کامل بنا سکتا ہے کیا وہ ہم کو کامل نہیں بنا سکتا؟ لیکن ہم طے تو کریں۔ کوشش تو کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العٰلمین۔

مرسلہ: ڈاکٹر محمد امجد صاحب

اِلَّا اللّٰہ

اے مرے مولا میری نظر میں تُو ہی تُو ہو، تُو ہی تُو
سب ہوں باہر، دِل کے اندر تُو ہی تُو ہو، تُو ہی تُو
قلب تپاں میں دیدۂ تر میں تُو ہی تُو ہو، تُو ہی تُو
میرے لیے تُو بحر و برّ میں تُو ہی تُو ہو، تُو ہی تُو
کچھ نہ سُجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیشِ نگاہ
اِلَّا اللّٰہ ، اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہ ، اِلَّا اللّٰہ

سُوجھے مجھ کو دونوں جہاں میں تُو ہی تُو بس تُو ہی تُو
سُوجھے مجھ کو کون و مکاں میں تُو ہی تُو بس تُو ہی تُو
سُوجھے مجھ کو قلب و جاں میں تُو ہی تُو بس تُو ہی تُو
سُوجھے مجھ کو سود و زیاں میں تُو ہی تُو بس تُو ہی تُو
کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیشِ نگاہ
اِلَّا اللّٰہ ، اِلَّا اللّٰہ ، اِلَّا اللّٰہ ، اِلَّا اللّٰہ

جاں سے بھی جو مجھ کو ہے پیارا تُو ہی تُو ہاں تُو ہی تُو
جس کے لیے سب کچھ ہے گوارا تُو ہی تُو ہاں تُو ہی تُو
دونوں جہاں میں میرا سہارا تُو ہی تُو ہاں تُو ہی تُو
میری ناؤ کا کھیون ہارا تُو ہی تُو ہاں تُو ہی تُو
کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیشِ نگاہ
اِلَّا اللّٰہ ، اِلَّا اللّٰہ ، اِلَّا اللّٰہ ، اِلَّا اللّٰہ

(بحوالہ ترغیب المسلمین ص ۳۳۴)

(قسط: ۱)

حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رح

شخصیّت اور خدمات

مولانا محمد عیسٰی صاحب منصوری لندن

مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی رح کا خاندانی تعلّق سادات کے مشہور حسنی سلسلہ سے ہے جو نواسہ رسول ؐ سیّدنا حضرت حسن رضؓ تک پہنچتا ہے، ہندوستان میں اس خاندان کی علمی و ادبی اور دینی و ملّی خدمات کا دائرہ صدیوں کو محیط ہے آپ کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ علم اللہ پھر جدِ امجد حضرت سیّد احمد شہید رح آپ کے نامور والد گرامی حضرت مولانا عبد الحیی لکھنوی رح جن کی مشہور زمانہ تالیف "نزہۃ الخواطر" پُورے اسلامی کتب خانہ میں اپنی مثال آپ ہے جس میں برِّصغیر کے ۸۰۰ سالہ دَور کے ساڑھے چار ہزار سے زیادہ عُلماء مشائخ بزرگان دین اور مصنّفین کا جامع تذکرہ ہے۔

آپ کا بچپن ایسے گھرانہ میں گزرا جہاں علم و فضل، زہد و تقوٰی عبادت و ریاضت سادگی و قناعت کی حکمرانی تھی بغرض آپ کو بچپن سے علمی ادبی دینی و روحانی اور مجاہدانہ ماحول نصیب ہُوا۔ عربی آپ نے چوٹی کے عرب عُلماء اور انشاء پرداز مولانا خلیل عرب اور مولانا تقی الدّین ہلالی مراکشی سے پڑھی حدیث شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خانؒ ٹونکی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح سے تفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح سے اور انگریزی لکھنؤ یونیورسٹی میں اور ایک انگریز سے سیکھی۔ آپ کی اصل تربیت گاہ آپ کا اپنا گھر تھا جہاں بچپن سے ہی دعوت و عزیمت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جانیں قربان کر دینے کی خاندانی روایات اور سینکڑوں داستانیں سُنیں جس زمانہ میں بچّے طوطا مینا کی کہانیاں سُنتے ہیں آپ کے گھرانہ میں دورِ صدیقی رضؓ و فاروقی رضؓ کے جہاد کے کارناموں پر مشتمل واقدی کی فتوح الشام پڑھی جاتی تھی۔ آپ نے ایسے انداز میں آنکھیں کھولیں جب برِّصغیر پر انگریزی کی حکمرانی پُورے شباب پر

تھی اور پورا عالم اسلام یورپ کی سیاسی عسکری، تہذیبی، تعلیمی اور فکری غلامی میں جکڑا ہوا تھا برِّصغیر اور عالم اسلام کے بیشتر مصنّفین مفکّرین اور اہل قلم مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدّن کے سحر میں مُبتلا تھے۔ خواہ مصر کے شیخ محمد عبدہ رفاعہ طہطاوی قاسم امین ہوں یا برِّصغیر کے سر سیّد احمد خان، منشی چراغ علی اور محمد علی لاہوری سب اسی راہ پر چل رہے تھے۔ یہ حضرات مغربی تعلیم و تربیت کے اثرات اور انگریز حکومت کے دبدبہ کی وجہ سے غالباً یہ سمجھتے تھے کہ مغربی تہذیب و تمدّن کی عظمت و شوکت ایک بدیہی و دائمی حقیقت ہے۔ اس میں نقد و نظر کی گنجائش نہیں یہ انسانی عقل اور انسانی علوم کی ترقی کا آخری زینہ ہے۔ ایسے ماحول میں آپ کے گھرانہ کی دینی علمی روحانی اور مجاہدانہ روایات و ماحول نے آپ کے دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتّب کیے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"مجھ پر اللہ کی مہربانی تھی اور اس کی حکمت کے تحت ایسے ماحول میں نشو و نما ہوئی جو مغربی تہذیب و تمدّن کی سحر طرازیوں اور دل فریبیوں سے محفوظ بلکہ اس کا باغی۔ افراط و تفریط سے دور صحیح اسلامی عقائد و تعلیمات سے معمور تھا۔ پھر ایسے اساتذہ سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا جو علمی مہارت کے ساتھ ذہنی و فکری آزادی، اخلاقی جراَت، نقد و نظر کی صلاحیّت و ہمّت سے بہرہ ور تھے۔ اس ماحول و تربیت کا نتیجہ تھا کہ ایسی تحریروں کے قبول کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تھی جن میں کمزوری، شرمندگی یا شکست خوردگی کے اثرات ہوں یا جو صرف دماغ پر مبنی ہوں (پرانے چراغ حصّہ ۳۔ ص ۲۶-۲۷)

۲۳ سال کی عمر میں آپ اچھوتوں کے سب سے بڑے لیڈر ڈاکٹر امبیدکر کو اسلام کی دعوت دینے بمبئی تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ کا دعوتی سفر اور پیغام نہ صرف برِّصغیر بلکہ عرب و عجم مشرق و مغرب مسلم غیر مسلم ہر جگہ اور ہر وقت جاری و ساری رہا آپ نے اپنی دعوت و فکر کا موضوع خاص طور پر عربوں کو بنایا جب آپ نے دیکھا کہ مغرب کا جدید الحادی فتنہ اپنے تمدّنی علمی و فکری رنگ میں جدید عرب نسل کو غیر معمولی طور پر متاثّر کر رہا ہے تو آپ تڑپ اُٹھے۔ آپ نے اپنی خداداد بصیرت سے ابتدائی دَور سے ہی مغربی فکر و فلسفہ کو اپنی تحریر و تقریر کا موضوع بنایا جاذب اور دلکش عنوان " ردة ولا ابابکر" آپ کی جدو جہد کا عنوان بن گیا اس میں نہ صرف اس فتنہ کی پوری تاریخ کو سمو دیا بلکہ دین کا درد رکھنے والے عرب علماء و مشائخ کو تڑپا کر رکھ دیا عالم عربی میں آپ کے اس مقالے کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اب بھی مسلسل شائع ہو رہے ہیں یہ عنوان آپ نے اس لیے اختیار کیا کہ عرب اہلِ قلم ادباء اور مفکّرین مغرب کے فکر و فلسفہ

اور نظام حیات و تمدّن سے بے انتہا متأثّر ہو چکے تھے۔ گویا یہ ایک جدید ارتداد تھا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ عرب اہلِ قلم کے اسلوب تحریر اور طرزِ فکر پر سیّد جمال الدین افغانی کے سکول نے بہت اثر ڈالا وہ جب میدان سیاست میں آئے تو استعماری طاقتوں پر جرأت و ہمّت کے ساتھ تنقید کرتے اور اُن پر سخت حملے کرتے نہ سزاؤں اور دھمکیوں سے ڈرتے نہ قید و بند اور ملک بدر ہونے کو خاطر میں لاتے لیکن وہی لوگ جب مغربی تہذیب و تمدّن کو موضوع بناتے یا سیاسی نظام اقتصادی فلسفوں اور عمرانی علوم پر لکھنے بیٹھتے تو اُن کے قلم جیسے تھک جاتے زبان لڑکھڑانے لگتی اسلوب کمزور پڑ جاتا ان کی تحریروں سے یہ جھلکنے لگتا کہ مغرب ہی ہر چیز میں مثالی نمونہ ہے اور ترقی کا اعلیٰ معیار ہے کہ کسی طرح اُن کے مقام تک پہنچا جائے اور انہی کی نقل کی جائے۔" (پرانے چراغ حصہ ۳، ص: ۲۹)۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جب آپ میدانِ عمل میں اُترے تو آپ کے سامنے اپنا ملک ہی نہیں پورا عالم اسلام بلکہ پوری دُنیائے انسانیت تھی۔ آپ کا پختہ عقیدہ اور یقین کامل تھا کہ جس طرح ماضی میں اسلام نے دُنیا کی رہبری کر کے اسے کامیابی کی راہ دکھائی ہے اسی طرح آج بھی صرف اسلام اور قرآن ہی سسکتی دم توڑتی انسانیت کے دُکھوں کا مداوا بن سکتا ہے۔ صرف وہی موجودہ دَور کی گمراہیوں بحران و انتشار، انارکی و خود فریبی سے دُنیا کو نجات دلا سکتا ہے۔ آپ نے عربوں کو اسی خواہش اور آرزو سے اپنا مخاطب بنایا کہ وہ نبی عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور قرآن کا دامن تھام کر اپنے داعی ہونے کی اصل حیثیّت اور مقام کو بحال کر کے دُنیا کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لیں، چنانچہ آپ نے اپنی تحریر و تصانیف کی ابتداء عربی زبان سے کی ابتدائی عمر ہی میں آپ کے مضامین پر چوٹی کے عرب عُلماء و دانشور سر دھنتے ۱۸ سال کی عمر میں آپ کا پہلا مضمون مصر کے مشہور معیاری رسالہ المنار میں نامور و ممتاز عالم و صحافی علامہ سیّد رشید رضا نے اہتمام سے شائع کیا پھر آپ سے اجازت لے کر اس مضمون کو کتابچہ کی صُورت میں الگ سے شائع کیا۔ آپ کا دوسرا مضمون مشہور عربی ترجمان "الضیاء" میں شائع ہوا تھا اسے پڑھ کر عالم عرب کے عظیم انشاء پرداز و ادیب و مفکر شکیب ارسلان نے بڑے بلند الفاظ میں مضمون کی ستائش و تعریف کی ایک ممتاز عرب ادیب و دانشور ڈاکٹر انور الحسبندی لکھتے ہیں کہ

"سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے عربوں کی طرف اپنی توجہ مبذول

کی اُنھیں بیدار کیا اُنھیں اپنے حقیقی منصب اور ذمّہ داری سنبھالنے کی دعوت دی اور اُنھیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں سرفرازی اسلام کی بدولت عطا کی ہے اور قرآن نے اُنھیں دُنیا کی قیادت کے لیے تیار کیا ہے آپ نے بار بار عرب ممالک جاکر اُن کے زعماء و مفکرین عُلماء و دانشوروں سے مل کر ان کو جھنجھوڑا اور ریڈیو و ٹیلیویژن کے ذریعہ عوام خواص، دانشوروں سلاطین و شہزادگان کو بڑی جُرأت و بے باکی سے ان کی کمزوریوں، مغربی تہذیب کے تحت آجانے، سامراجی طرز، تجدد و ترقی پسندانہ خیالات و نظریات اور رجحانات کے زیرِ اثر آجانے پر سخت الفاظ میں تنقید کی "اسمعیات" کے نام سے ہر ملک کو خطاب کیا۔

اسمعی یا مصر اے مصر سن اے سیریا سن اے لالہ صحرا (کویت)، سن اے ایمان سن جزیرۃ العرب کا پیغام دُنیا کے نام دُنیا کا پیغام جزیرۃ العرب کے نام آپ نے عرب عوام، عُلماء، دانشوروں، حکمرانوں اور بادشاہوں تک کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہا کہ تمہارا وجود و پہچان صرف محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اسلام کا رہین منّت ہے اگر ان دو چیزوں سے تعلّق ختم ہوجاتا ہے تو پھر عربوں کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا غرض آپ نے نصف صدی تک عربوں کو جو پیغام دیا اس کا خلاصہ ہے۔

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

نہ محمد رسول اللہ سے پہلے عربوں کی کوئی حیثیّت تھی اور نہ محمد عربیؐ سے بے گانہ ہوکر اُن کی کوئی حیثیّت رہ سکتی ہے"۔

عصرِ حاضر کے ممتاز عالم عظیم دانشور نامور خطیب و رہنما علّامہ یُوسُف قرضاوی لکھتے ہیں۔

"ہم نے شیخ ابوالحسن علی ندوی کی کتابوں اور رسالوں میں نئی زبان اور جدید رُوح محسوس کی اُن کی توجّہ ایسے مسائل کی جانب ہُوئی جن کی جانب ہماری نظر نہیں پہنچ سکی۔ علّامہ ابوالحسن علی ندوی پہلے شخص ہیں جنھوں نے ہمیں الفاظ و موقف کی اہمیّت و قیمت سے روشناس کرایا اور اُن سے متأثّر ہوکر بعد میں دوسرے مصنّفین نے لکھنا شروع کیا۔ عربی ادب میں ان کا نام مسلّم ہے بلا مبالغہ اس وقت آپ کی سطح کا مؤرخ و ادیب عرب و عجم میں نایاب ہے آپ کے علمی و فکری مباحث تو تسلیم شدہ ہیں ہی آپ کی عربی تحریروں کا حال یہ ہے کہ خود عرب عُلماء و خطبا آپ کی عبارتوں کو رٹتے اور حفظ یاد کرتے ہیں اور جمعہ کے خطبوں تک میں نقل کرتے ہیں۔ حتّٰی کہ حرمین شریفین کے آئمہ آپ کی عبارتوں کو جمعہ کے خطبات میں

نقل کرتے ہیں۔ آپ کی عربی کتابیں عرب ممالک کی یونیورسٹیوں کالجوں اور سکولوں میں داخل نصاب ہیں اور خود بھارت میں کشمیر سے لے کر راس کماری تک عصری کالجوں اور سکولوں میں آپ کی عربی ادب کی کتابیں داخل نصاب ہیں۔ آپ کی تصنیفی زبان شروع ہی سے عربی رہی ہے۔ پھر دُنیا کی مختلف زبانوں میں آپؒ کی کتابوں کے بے شمار ایڈیشن چھپے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے"۔

بلاشُبہ آپ عالم عرب میں اس وقت محبوبیت و مقبولیّت کے انتہائی عروج پر تھے۔ غرض آپ کو عالم عرب میں وہ مقام حاصل ہوگیا جو اس دَور میں کسی غیر عربی کو حاصل نہ ہو سکا یہ امتیاز و انفرادیت آپ کو اخلاص و بے لوثی و بے نیازی کے ساتھ ساتھ عرب مسائل و مشکلات سے گہری واقفیّت اُن سے دلی ہمدردی اور اُنھیں بروقت جدید فتنوں اور خطرات سے خبردار کرنے کی بدولت حاصل ہُوئی آپ کی جو کتاب اُردُو میں دس پندرہ ہزار چھپتی وہ عربی میں لاکھوں کی تعداد میں چھپتی رہی۔ عربوں نے آپ کی حمیت دینی۔ غیرتِ اسلامی ربّانیت و روحانیت کی وجہ سے آپ کی انتہائی قدردانی کی اُنھوں نے کھُلے دل سے آپ کی عظمت کا اعتراف کیا۔ بقول پروفیسر خورشید احمد صاحب کے عرب دُنیا آپ کی فصاحت و بلاغت کا لوہا مانتی ہے غرض آپ کو عربوں میں ایسی مقبولیّت اور ہر دلعزیزی حاصل تھی کہ جب کسی پڑھے لکھے عرب کی کسی ہندی مُسلمان سے ملاقات ہوتی تو بسا اوقات اسکا پہلا سوال یہ ہوتا کہ ابوالحسن علی ندوی کیسے ہیں۔

تاریخ و تذکرہ آپ کے مطالعہ کا خصُوصی موضوع رہا آپ نے اسلامی تاریخ اور اکابرین اسلام کے احوال و سوانح پر اس قدر لکھا کہ اس دَور میں پُورے عالمِ اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی آپ کی تحریروں میں تاریخ و اَدب ایک دوسرے سے ہم آغوش نظر آتے ہیں۔ آپ کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی و علمی موضوعات پر بھی نہایت دلکش اور افسانوی انداز میں خامہ فرسائی کی جاسکتی ہے اور دینی تحریر میں بھی ادبی دلچسپی سکتی ہیں۔ آپ کے اسلوب بیان میں علم و فکر سنجیدگی و متانت اعتماد ٹھہراؤ تو ہے ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی شعلہ کی سی لپک اور طوفان کا سا دبدبہ محسوس ہوتا ہے۔ آپ کی تحریر سے ولولہ و ابتہاج کی لہریں دوڑ جاتی ہیں آپ کے اسلُوب نثر کی کشش انگیز توانائی خود آپ کی شخصیّت کی مرہون منت ہے۔ آپ کی شخصیّت بڑی متنوع اور ہمہ گیر ہے جس نے اپنے اندر گلشن دین و اَدب کے بہت سارے پھُولوں کا عطر کشید کر لیا ہے آپ کی تحریروں اور اسلُوب میں

آپ کی شخصیّت کی طرح مدرسہ وخانقاہ کی طمانیت وسکون بھی ہے۔علم وادب کی جاذبیت وحسن بھی ساتھ ہی ساتھ تحریک و اجتماعیت کی حرارت وسرگرمی بھی ہے یہی جامعیت آپ کی شخصیّت کا خاص امتیاز ہے اور آپکی تحریر کا بھی آپ نے تاریخ وتذکرہ کو اپنے مطالعہ اور انشاء کا موضوع بنایا تاکہ نئی نسل اسلاف کے کارناموں سے روشنی وحرارت حاصل کرکے دعوت وعزیمت پر سرگرم عمل ہوجانے کا حوصلہ حاصل کرے۔آپ کی طرزِ تحریر کی نمایاں خصوصیّت یہ ہے کہ آپ کے یہاں بے جا جوش کہیں نہیں ملتا جبکہ زور ہر جگہ نظر آتا ہے۔یہ زورِ بیان درحقیقت آپ کے فکر ونظر کی دین ہے آپ صاحبِ نظر بھی تھے اور صاحبِ دل بھی جب فکر کے ساتھ ذکر بھی ہو تو کیا کہنا یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریروں میں سنجیدہ وحسین انداز میں نہایت گہری باتیں ملتی ہیں۔از دل خیزد بر دل ریزد کی جھلک آپ کی ہر تحریر وتقریر کا خاصہ ہے۔آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ۱۷۷ ہے ، بیشتر کتابوں کے ترجمے اُردو ، فارسی، ترکی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں آچکے ہیں جب آپ کی پہلی عربی کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین منظر عام پر آئی تو اس نے عرب دُنیا میں ہلچل مچادی۔دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کے ممتاز سکالر و نامور مصنّف اُستاد پروفیسر محمد المبارک رحمہ اللہ نے اسے اس صدی کی بہترین کتاب قرار دیا اور کہا کہ اگر کسی نے یہ کتاب نہیں پڑھی تو اُس کا مطالعہ ناقص رہے گا۔اس کتاب کے متعلق ایسے ہی تاثّرات بیشتر عرب زعماء و مفکّرین کے ہیں جیسے ڈاکٹر یُوسف موسیٰ اُستاد سیّد قطب شہید رحمہ اللہ علّامۃ الشام شیخ محمد بہجۃ البیطار اور اخوان کے مشہور رہنما ڈاکٹر مصطفی سباعی عظیم مفکّر وعالم اُستاد علی طنطاوی وغیرہ وغیرہ پُوری عرب دُنیا سعودی عرب مصر وشام اور فلسطین وعراق کے چوٹی کے زعماء و مفکرین نے اسے اس صدی کی بہترین کتاب قرار دیا۔اس کتاب نے ۲۵ سال کی عمر میں آپ کی شہرت و ناموری کو عرب دُنیا میں گھر گھر پہنچا دیا۔مشہور و نامور فاضل لندن یونیورسٹی میں مڈل ایسٹ سیکشن کے چیئرمین ڈاکٹر بکنگھم نے ان الفاظ میں اس کتاب کو خراجِ تحسین پیش کیا کہ " اس صدی میں مُسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جو کوشش بہتر سے بہتر طریقہ پر کی گئی یہ اس کا نمونہ اور تاریخی دستاویز ہے۔

مفکّرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کا ایک بڑا کارنامہ علّامہ اقبال کی شاعری اور فکر سے عربوں کو روشناس کرانا ہے آپ کی منفرد اور وقیع کتاب روائع اقبال (عربی) اوراس کے اُردو ترجمہ " نقوش اقبال" کے بغیر سلسلہ اقبالیات کی فہرست مکمل نہیں سمجھی جاسکتی اگرچہ آپ سے پہلے عزام اور محمود عبّاس نے عالم عربی میں اقبال کو متعارف کرانے کی کوشش کی مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ دونوں اپنے

مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ روائع اقبال کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ مولانا ندوی نے فکر اقبال کی بلندی، بلند حوصلگی اور وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل کو اپنی زندگی کا حصّہ اور مشن بنالیا ہے غالباً اسی کے پیشِ نظر جناب ماہر القادری مرحوم نے نقوش اقبال پر اپنے ماہنامہ رسالہ فاران میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

"یہ کتاب اسی مجاہد عالم کی لکھی ہوئی ہے جو اقبال کے مردِ مومن کے مصداق ہے، اس لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نقوش اقبال میں خود اقبال کی فکر و رُوح اس طرح گھل مل گئی ہے جیسے پھول میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی' پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے جیسے شبلی کا قلم غزالی کی فکر اور ابن تیمیہؒ جوش و اخلاص اس تصنیف میں کارفرما ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ دینی و عصری علوم کے شناور ہونے کے ناطے علّامہ ندوی کی نگاہ بصیرت نے کلام اقبال کی خُوبیوں اور کمالات کا صحیح ادراک کیا، آپ لکھتے ہیں۔

"میری پسند و توجّہ کا مرکز وہ اس لیے نہیں کہ بلند نظری اور محبّت و ایمان کے شاعر ہیں، ایک عقیدہ دعوت و پیغام رکھتے ہیں۔ مغرب کی مادی تہذیب کے سب سے بڑے ناقد اور باغی ہیں۔ اسلام کی عظمتِ رفتہ اور مسلمانوں کے اقبال گزشتہ کے لیے سب سے زیادہ فکر مند تنگ نظر قومیّت و وطنیت کے سب سے بڑے مخالف اور انسانیت و اسلامیت کے سب سے بڑے داعی ہیں بلکہ جو چیز مجھے ان کے فن و کلام کی طرف لے گئی وہ بلند حوصلگی محبّت اور ایمان ہے جس کا حسین امتزاج اس کے شعر و پیغام میں ملتا ہے۔ مَیں اپنی طبیعت و فطرت میں انہی تینوں کا دخل پاتا ہُوں مَیں ہر اس ادب و پیغام کی طرف بے اختیار بڑھتا ہوں جو بلند حوصلگی اور احیا اسلام کی دعوت اور تسخیر کائنات اور تعمیر النفس و آفاق کے لیے اُبھارتا ہے جو مہر و وفا کے جذبات کو غذا دیتا اور ایمان و شعور کو بیدار کرتا ہے۔ محمدؐ کی عظمت اور اُن کے پیغام کی آفاقیت و ابدیت پر ایمان لاتا ہے۔"

مارچ ۱۹۹۴ء میں جب یہ ناچیز رائے بریلی حاضر ہُوا تو عشاء کی نماز کے بعد آدھی رات تک اقبالیات پر گفتگو فرماتے رہے اور برجستہ اُردو فارسی کلام سُناتے رہے اندازہ ہُوا کہ حضرت مولانا کو اقبال کا تقریباً سارا کلام ازبر ہے مجھے اقبال کی مشہور نظم جس کا شعر

کلیسا کی بُنیاد رہبانیت تھی
سمائی کہاں اس فقیری میں میری

سُنا کر نوٹ کروائی اور فرمایا آپ مغرب میں رہتے ہیں اس پہ خُوب غور وخوض کیجیے اقبال نے اس میں پُورے مغربی فکر وفلسفہ کو سمو دیا ہے۔

آپ اپنی علمی وفکری اور تصنیفی مشغولیت کے باوصف بھارتی مُسلمانوں کی سیاسی وملّی خدمات سے کبھی غافل نہیں ہُوئے۔ خاص طور پہ آخری بیس سالوں میں مسلم پرسنل لار بورڈ کے پلیٹ فارم سے آپ نے بھارتی مُسلمانوں کی مؤثّر قیادت اور خدمات انجام دیں آپ کو اپنے ہر دلعزیز اوصاف کی بنار پہ تمام مکاتبِ فکر کا بھرپور اعتماد حاصل رہا شاہ بانو کیس کی گتھی سُلجھانے میں آپ کی رہنمائی نے اہم کردار ادا کیا گزشتہ دنوں جب یوپی حکومت نے سکولوں میں سرسوتی پوجا کا گیت لازمی قرار دے دیا تو آپ کے ایک جُرات مندانہ بیان نے ملک کے حالات بدل دیے اور حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ آپ صحیح معنٰی میں ایک ایسا روشن چراغ تھے جس کی لو سے ظلم وطغیان کے ایوانوں میں ہلچل ہی نہیں قیامت برپا ہو جاتی تھی۔ ۱۹۸۰ء میں دیوبند کا صد سالہ اجلاس منعقد ہُوا اجلاس کیا تھا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ اس اجلاس میں سب سے زیادہ برمحل مؤثّر طاقتور اور مجاہدانہ تقریر جو بھارتی مُسلمانوں کی ترجمان کہی جا سکتی ہے آپ ہی کی تھی آپ کی یہ تقریر اس اجلاس کی جان اور پیغام سمجھی گئی آپ نے بھارتی مُسلمانوں اور حکومت کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ہم صرف اعلان کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ بھی اعلان کریں کہ ہم ایسے جانوروں کی زندگی گزارنے پر ہرگز راضی نہیں جن کو صرف راتب اور تحفّظ (سیکورٹی) چاہیے کہ کوئی ان کو نہ مارے ہم ہزار بار ایسی زندگی گزارنے اور ایسی حیثیت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ہم اس سرزمین پہ اپنی اذانوں نمازوں کے ساتھ رہیں گے بلکہ تراویح اشراق، تہجد تک چھوڑنے کے تیّار نہیں ہوں گے۔ ہم ایک ایک سُنّت کو سینہ سے لگا کر رہیں گے ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت طیّبہ کے ایک نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لیے تیّار نہیں ہم کسی قومی دھارے سے واقف نہیں ہم تو صرف اسلامیت کے دھارے کو جانتے ہیں، ہم تو دُنیا کی قیادت وامامت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں

گزشتہ سال ۲۸، ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء مسلم پرسنل بورڈ کے اجلاس واقع بمبئی میں آپ نے اپنی

صدارتی تقریر میں صاف فرمایا۔

ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اُوپر کوئی اور نظامِ معاشرت نظامِ تمدّن اور عائلی قانون مسلّط کیا جائے۔ ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اسی طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوتِ ارتداد کا مقابلہ کیا جانا چاہیے۔ یہ ہمارا شہری اور جمہوری اور دینی حق ہے۔ آپ عالمِ اسلام اور خاص طور پر بھارتی مسلمانوں کو اکثر فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضؓ کا انتباہ آگہی یاد دلاتے (تم مسلسل محاذ جنگ پر ہو تمہیں ہر وقت چوکنّا اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ برِّصغیر کے طبقہ عُلماء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کے بعد علّامہ ابوالحسن علی ندوی واحد شخصیّت ہیں جنھوں نے ملکی حدود سے ماورٰی ہوکر پُوری ملّت اسلامیہ اور پُوری انسانیت کی فکر کی ۱۹۸۰ء میں آپ کو ایک رات پے درپے دوبار سرکارِ دوعالمؐ کی زیارت ہُوئی جس میں سرورِ دوعالمؐ نے فرمایا میری حفاظت کا کیا انتظام کیا ہے اس وقت آپ نے جنرل ضیاء الحق صاحب کو سرورِ دوعالم کا پیغام لے جاکر فرمایا کل قیامت کے روز دربارِ رسالت میں آپکا دامن ہوگا اور میرے ہاتھ کہ مَیں نے پیغام پہنچا کر اپنی ذمّہ داری ادا کر دی تھی۔ آپ خلیج کی جنگ کے بعد سے سرزمینِ عرب پر امریکی فوجوں کی موجودگی پر سخت پریشان تھے۔ وفات سے چند ہفتہ پہلے جب یہ ناچیز حاضر خدمت ہوا اُس وقت فالج کے حملہ کے بعد سے مسلسل نقاہت کے عالم میں تھے کسی صاحب نے پاکستان کے فوجی سربراہ پرویز مشرف صاحب کا اخباری بیان سُنا دیا جس میں اُنھوں ترکی کے مصطفیٰ کمال اتاترک کو اپنا آیئڈیل و ہیرو بتا کر اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کا عندیہ ظاہر کیا تھا اس پر آپ تڑپ اُٹھے اور فرمایا اس صدی میں اسلام کو سب سے زیادہ نقصان جس شخص نے پہنچایا وہ اتاترک ہیں کاش کوئی میری کتاب اسلام و مغربیت کی کشمکش کا انگریزی ایڈیشن ان تک پہنچا دے (جس میں اتاترک کے متعلق تفصیلی معلومات ہیں) مَیں نے عرض کیا پرسوں میرا پاکستان کا سفر ہے انشاء اللہ کتاب پہنچ جائے گی اس پر خوش ہوکر فرمایا صُبح سے دُعا کر رہا تھا اے اللہ میرے اس کام کے انجام دینے کے لیے کسی شخص کو بھیج دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیج دیا اور فرمایا انشاء اللہ یہ کام آخرت میں آپ کی نجات کے لیے کافی ہوگا اس کام کے انجام دہی کی اطّلاع پر انتہائی پُرمسرّت اور بلند الفاظ میں گرامی نامہ تحریر فرمایا جو میرے پاس حضرت کا آخری گرامی نامہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دَور میں آپ کی ہستی پُوری ملّت اسلامیہ کے لیے ایک شجرِ سایہ دار اور اس شعر کی صحیح مصداق تھی۔

(بقیہ بر صـ۴۵)

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

گزشتہ ماہ ۱۳ صفر مطابق ۱۸ مئی بروز جمعرات کراچی میں صبح دس بجے نائب امیرِ ختمِ نبوّت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو گھر سے دفتر جاتے ہوئے نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے نہایت بیدردی سے گولیاں مار کر شہید کر دیا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون اس اچانک حملہ میں مولانا کے ڈرائیور بھی شہید ہو گئے جبکہ مولانا کے صاحبزادہ زخمی ہوئے۔ پاکستان میں چند برسوں سے اندھے قتلوں کی ایسی روایت چل پڑی ہے کہ جو رُکنے کا نام نہیں لے رہی ہے۔ حکومتی ادارے بالکل بے بس اور ناکام ہو چکے ہیں ماسوا، زبانی جمع خرچ کے اُن کے پاس کچھ نہیں ہے۔ عُلماء حق کے قتلِ عام کا سلسلہ نہایت خُفیہ اور منظّم انداز میں جاری ہے۔ را اور قادیانی یہودی اور عیسائی ایجنسیاں درحقیقت ان اندھے قتلوں کی ذمّہ دار ہیں۔ حضرت مولانا لدھیانوی جیسے بے ضرر مبلّغ اور محدّث کا قتل ہر شخص کے لیے لمحہ فکریہ ہے کئی روز گزرنے کے باوجود تاحال مولانا کے قاتلوں کا کوئی سُراغ نہیں لگایا جا سکا جو حکومت کی دوسری ناکامی ہے۔ ایسے حالات میں حکمران اس قتل سے اپنے کو کیسے بری الذمہ تصوّر کر سکتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ حکومت قاتلوں کو جلد گرفتار کر کے فوری طور پر سرِعام سزائے موت دے، نہیں تو اس قتل کی ذمّہ داری اپنے سر لے۔ مولانا کا وجود پاکستان کے عوام کے لیے شجرِ رحمت تھا۔ اُن کی دینی خدمات قابلِ قدر اور فیضِ عام تھیں۔ اُن کی شہادت سے پاکستان کا ہر شہری دُکھی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو آخرت کے بلند ترین درجات نصیب فرمائے اور اُن کے فیض کو تا قیامت جاری رکھے آمین۔

بقیہ : حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

خنجر چلے کسی پہ تڑپے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جب بھی آپ نے ضرورت محسوس کی نہ صرف بھارت کے حکمرانوں بلکہ عالمِ عرب اور مسلم ممالک کے حکمرانوں کو کلمہ حق جُرأت کے ساتھ کہا یہ اس دَور میں صرف آپ کا امتیاز تھا ورنہ اس زمانہ کے طبقہ عُلماء و مشائخ میں یہ چیز ناپید ہو چکی ہے۔

(قسط : ۲، آخری)

دین کے چند ضروری قواعد وضوابط

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد زید مجدہم
مدرس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

قاعدہ نمبر ۸

لو کان احدھما اعظم ضررا من الاخر فان الاشر یزال بالاخف: اگر ایک کا ضرر بڑا ہو اور دوسرے کا کم ہو تو بڑے نقصان سے بچتے ہوئے چھوٹے نقصان کا تحمل کیا جائے گا

مسئلہ: ایک کی مرغی نے دوسرے کا موتی نگل لیا۔ دیکھیں گے کہ مرغی کی قیمت زیادہ ہے یا موتی کی ۔ جس کی قیمت زیادہ ہو (مثلاً موتی کی قیمت زیادہ ہو) تو مرغی موتی والے کو دے دی جائے گی اور موتی والا مرغی والے کو مرغی کی قیمت ادا کرے گا۔

مسئلہ: حاملہ عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو مردہ عورت کے پیٹ کو چاک کرکے بچے کو نکال لیں گے۔

قاعدہ نمبر ۹

درء المفاسد اولی من جلب المصالح: مصلحتوں کو حاصل کرنے کے مقابلے میں مفاسد کو دور کرنا اولیٰ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب مصلحت اور مفسدہ کے مابین تعارض واقع ہو تو عام طور سے مفسدہ کو دور کرنے کو مقدم رکھا جائے گا کیونکہ شریعت نے مامور بہ احکام کا جتنا اہتمام کیا ہے اس سے کہیں زیادہ

ممنوعات شرعیہ سے بچنے کا اہتمام کیا ہے اسی لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

اذا امرتکم بشئ فاتوا منہ ما استطعتم و اذا نھیتکم عن شئ فاجتنبوہ

جب مَیں تم کو کسی کام کا حکم دوں تو تم اس کو اپنی طاقت بھر کرو اور جب مَیں تم کو کسی کام سے روکوں تو تم اس سے (بالکل) رُک جاؤ

اسی طرح ایک یہ روایت بھی ہے لترك ذرة مما نهى الله عنه افضل من عبادة الثقلين۔

اس ایک ذرہ کو ترک کرنا جس سے اللہ نے منع کیا ہے جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مشقت کی صورت میں واجب کو ترک کرنا جائز ہے لیکن منہیات و ممنوعات خصوصاً کبیرہ گناہوں کو کرنے کی اجازت نہیں دی۔

مسئلہ: اگر کسی مرد کو استنجا کرنا ہو تو وہ اگرچہ نہر کے کنارے بیٹھا ہو لیکن اور مردوں سے پردہ نہیں ہے تو استنجے کو موخر کر دے۔

مسئلہ: عورت پر غسل واجب ہو لیکن مردوں سے پردے میں ہو کر نہانے کی کوئی صُورت نہ ہو تو غسل کو موخر کر دے۔

مسئلہ: کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا مسنون ہے لیکن روزہ دار کے لیے مکرُوہ ہے۔

مسئلہ: وضو میں ڈاڑھی کا خلال مسنون ہے لیکن حالت احرام میں مکروہ ہے۔

البتّہ بعض صورتوں میں مفسدہ کو دفع کرنے کے مقابلہ میں جلب مصلحت اولیٰ ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے وہ اس کی خاطر کچھ غلط بیانی بھی کرے تو یہ جھُوٹ شمار نہیں ہوگا۔

چند موقعوں پر جھُوٹ بولنا جائز ہے۔

۱۔ لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے۔

۲۔ جنگ میں

۳۔ بیوی کے ساتھ جھگڑے سے بچنے کے لیے۔

۴۔ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اور اپنے سے ظلم کو دفع کرنے کے لیے

۵۔ شفعہ کرنے والے کو جب رات کے وقت جائیداد کی فروخت کا علم ہُوا اور اُس نے اُس وقت زبان سے کہہ دیا کہ میں شفعہ طلب کرتا ہوں اور پھر دن میں جب گواہ دستیاب ہُوئے تو اُن کے سامنے یُوں کہے کہ مجھے اب جائیداد کی فروخت کا علم ہُوا اور تم گواہ رہو کہ میں شفعہ طلب کرتا ہوں، (کیونکہ اگر وہ کہے کہ مجھے رات کو فروختگی کا علم ہُوا تو اس کا شفعہ کا حق جاتا رہے گا۔)

۶۔ اسی طرح اگر کسی نابالغہ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کر دیا تو اُس کو بالغ ہونے پر خیار حاصل ہوتا ہے کہ چاہے تو نکاح باقی رکھے اور چاہے تو نکاح فسخ کر دے۔ اَب وہ بیچ رات میں بالغ ہوئی (یعنی حیض آنا شروع ہُوا) تو صبح کے وقت وہ یُوں کہے کہ مَیں نے اَب خُون دیکھا ہے اور مَیں نکاح فسخ کرتی ہوں (یعنی جبکہ اس کو وہ نکاح منظور نہ ہو۔)

۷۔ کسی کی جان بچانے کے لیے۔ یعنی ایک شخص جس کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ زید کو قتل کرنے کے درپے ہے وہ پُوچھتا ہے کہ تم نے زید کو دیکھا ہے تو زید کو ناحق قتل ہونے سے بچانے کے لیے دیکھا بھی ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ نہیں دیکھا۔

قاعدہ نمبر ۱

العادة محكمة : عرف وعادت اور رواج کا اعتبار ہے۔

اس قاعدے کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے ماراه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن (جس چیز کو مُسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے)۔ اس مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا مُسلمان اعتبار کریں جبکہ وہ قرآن وحدیث کی نص صریح کے مخالف نہ ہو اور نہ ہی اُصولِ دین سے متصادم ہو تو شریعت کے احکام میں بھی وہ معتبر ہے۔ مثلاً

۱۔ ہمارے رواج میں صرف بکرے بھیڑ وغیرہ کی سری کھائی جاتی ہے۔ گائے یا اُونٹ کی سری نہیں کھائی جاتی۔ اب ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ سری نہیں کھائے گا تو اگر اُس نے بکرے کی سری کھائی تو اس کی قسم ٹوٹے گی اور اگر اس نے اُونٹ یا گائے کی سری کھائی تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی غرض رواج وعادت کا اعتبار کیا گیا اور اس شخص کی قسم بکرے وغیرہ کی سری کے ساتھ خاص ہوگئی۔

۲۔ کسی شخص نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم زید کے گھر میں قدم نہیں رکھوں گا۔ چونکہ عرف ورواج میں قدم

رکھنے سے مُراد داخل ہونا ہے۔ لہٰذا شریعت کی نظر میں قسم میں عرفی مُراد کا اعتبار ہوگا۔ اس لیے اگر وہ شخص زید کے گھر میں داخل ہُوا تو اس کی قسم ٹوٹے گی اور اگر وہ زید کے گھر کے باہر کھڑا ہوگیا اور ٹانگ آگے بڑھا کر صرف اپنا ایک قدم زید کے گھر میں رکھ دیا تو اس سے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

۳۔ عمل کثیر سے نماز ٹُوٹ جاتی ہے اور عمل کثیر کو جاننے کا ضابطہ یہ ہے کہ عادت و رواج میں وہ ایسا کام ہو کہ نمازی جب اُس کو کرنے لگے تو دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ نماز نہیں پڑھ رہا۔ مثلاً ایسا کام کرنے لگے جو عام طور سے دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہے یا ایک رُکن کی مُدّت میں نماز میں تین بار ہاتھ اُٹھا کر کھجلی کرے وغیرہ۔

۴۔ بعض علاقوں اور خاندانوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو شادی کے موقع پر جو زیور دیا جاتا ہے وہ اُسے مالکانہ بنیادوں پر دیتے ہیں جبکہ دوسروں کا رواج ہے کہ وہ بطور عاریت دیتے ہیں اگر زیور دیتے وقت صراحت نہ کی ہو کہ کس طور پر دیے ہیں تو علاقے اور خاندان کا جو رواج ہوگا اسی کے مطابق سمجھا جائے گا۔

تنبیہ

جو چیزیں بدعت اور بدعت کے اصول کے تحت آتی ہیں یا جو صریح ممنوعات ہیں اگر مُسلمان اُس کو اچھا سمجھنا شروع کر دیں تو وہ اچھی نہیں بن جائیں گی کیونکہ ایسی چیزوں میں عرف و عادت کا اعتبار نہیں ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۱

تصرف الامام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ : حاکم کا رعایا پر ہر حکم رعایا کی مصلحت پر مشتمل ہونا چاہیے۔

اس قاعدے کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انی انزلت نفسی عن مال اللّٰہ تعالی بمنزلۃ والی الیتیم ان احتجت اخذت منہ فاذا ایسرت رددتہ فان استغنیت استعففت۔ (بیت المال کے معاملے میں مَیں اپنے آپ کو یتیم کے والی کی مانند خیال کرتا ہوں۔ اگر مجھے حاجت ہوتی ہے تو بیت المال سے بقدر ضرورت لیتا ہوں پھر کشادگی ہو جاتی ہے تو لیا ہُوا بیت المال میں واپس

لوٹا دیتا ہوں اور اگر استغنا حاصل ہو تو پھر بیت المال میں سے لینے سے بچتا ہوں۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو نماز اور جنگ کے معاملات کی ذمہ داری دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قضاء اور بیت پر مقرر کیا اور حضرت عثمان بن حنیف رضؓ کو اراضی کی مساحت پر مقرر کیا اور (ہر ایک کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے) ان تینوں کیلئے بیت المال سے ایک بکری (کے گوشت) کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ نصف بکری اور اس کا پیٹ حضرت عمار کے لیے اور ایک چوتھائی حضرت عبداللہ بن مسعود کے لیے اور ایک چوتھائی حضرت عثمان بن حنیف کے لیے اور فرمایا کہ میں نے بیت المال کے بارے میں اپنا اور تمہارا معاملہ یتیم کے والی (نگران) کی مثل بنایا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ واللہ میں نہیں خیال کرتا کہ کسی علاقے سے ایک بکری روز لی جاتی رہے مگر یہ کہ اس کی بربادی جلدی ہو جائے گی (مطلب یہ ہے کہ اگر پیداوار کو بڑھانے کی طرف توجہ نہ کی جائے اور خرچ پورے پورے کیے جائیں تو بربادی بھی آئے گی۔ لہٰذا یہ خرچہ جہاں ضروری ہے وہیں پیداوار بڑھانے کی طرف بھرپور توجہ دی جائے جیسا کہ یتیم کا مال یونہی پڑا رہے اس کے بڑھنے کی فکر نہ کی جائے اور اس میں یتیم کے اخراجات مسلسل نکلتے چلے جائیں تو بالآخر وہ مال ختم ہو جائے گا۔)

تنبیہ

جب عوام سے متعلق معاملات میں حاکم کے فعل کا مصلحت عامہ پر مبنی ہونا ضروری ہے تو از روئے شریعت اس کا صرف وہی فعل نافذ ہوگا جس میں مصلحت ہوگی اور حاکم کا کوئی ایسا فعل یا فیصلہ جو مصلحت عامہ کے خلاف ہو وہ از روئے شریعت نافذ نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کوئی علاقہ لشکر کشی کر کے فتح کیا گیا ہو اور مسلمان حاکم وہاں کی کسی زمین کے بارے میں لوگوں کو اجازت دے کہ وہ اس کو مسجد میں شامل کر لیں یا اس میں مسجد پر وقف دکانیں بنا لیں تو یہ اجازت اور حکم صرف اس وقت نافذ ہوگا جب اس سے گزرنے والوں اور دیگر لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور اگر علاقہ صلح سے فتح کیا گیا ہو تو اس کی اراضی اس کے سابقہ مالکان کی ملکیت میں باقی رہی لہٰذا حاکم ان کی مملوکہ اراضی میں ایسا حکم اور ایسی اجازت نہیں دے سکتا اور اگر دے تو وہ از روئے

شریع نافذ نہیں ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۱۲

الحدود تدراء بالشبہات : شبہات کی وجہ سے حدود دفع کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادفعوا الحدود ما استطعتم : ابن ماجہ (جہاں تک تم سے ہوسکے حدود کو دفع کرو)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ادرءوا الحدود من المسلمین ما استطعتم فان وجدتم للمسلم مخرجا فخلوا سبیلہ فان الامام لان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبۃ۔

(جہاں تک تم سے ہوسکے مُسلمانوں سے حدود کو دُور کرو اور اگر تم مُسلمان کے لیے خلاصی کی کوئی صورت پاؤ تو اس کا رستہ چھوڑ دو کیونکہ حاکم خطا سے کسی کو معاف کر دے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ خطا سے کسی کو سزا دے)۔

فتح القدیر میں ہے کہ تمام علاقوں کے فقہاء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ شبہات سے حدود کو دُور کیا جائے گا اور اس بارے میں جو حدیث ہے وہ متفق علیہ ہے اور اُمت نے اس کی تلقی بالقبول کی ہے (جس کی وجہ سے از روئے حکم، متواتر کے درجے میں چلی گئی ہیں

شُبہات کی چند قسمیں ہیں۔

۱۔ محل میں شُبہہ

الف۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا انت و مالک لابیک (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔)

اس سے یہ شبہہ ہوسکتا ہے کہ بیٹے کی باندی بھی باپ کی ہے اس لیے باپ اگر بیٹے کی باندی سے مباشرت کرے تو اس شُبہہ کی گنجائش اس کو ملے گی اور زنا کی حد اس پر نہیں لگے گی۔ بیٹے کی باندی زنا کا محل ہے اور اس میں شُبہہ ہے اس لیے یہ محل میں شُبہہ کی مثال ہے۔

ب۔جس کو الفاظ کنایہ کے ساتھ ایک طلاق بائن ملی ہو۔کیونکہ اگرچہ اکثر صحابہ کا یہی قول ہے کہ الفاظ کنایہ سے دی ہوئی طلاق بائن ہوتی ہے، لیکن بعض صحابہ کا قول ہے کہ وہ رجعی ہوتی ہے جس سے عدت پوری ہونے تک نکاح نہیں ٹوٹتا۔اس اختلاف کی وجہ سے عدت کے دوران اس طلاق یافتہ عورت میں حلت کا شُبہہ موجود رہے گا۔

۲۔ فعل میں شُبہہ

یہ اس شخص کے حق میں ہوتا ہے جس پر حلت و حرمت مشتبہ ہو جائے اور جو حلت کی واقعتاً دلیل نہیں ہے اس کو حلت کی دلیل سمجھ لے۔

مثلاً میاں بیوی ایک دوسرے کی مملوکہ چیزیں بلا تکلّف استعمال کرتے ہیں اور اپنے لیے ان سے نفع اُٹھانا مباح سمجھتے ہیں۔اسی بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک شخص نے یہ خیال کرلیا کہ اسی طرح سے بیوی کی باندی سے بھی نفع اُٹھانا اُس کے لیے جائز اور مباح ہے۔اسی وجہ سے اس نے بیوی کی باندی سے مباشرت کرلی تو اس شخص کا یہ شُبہہ بالکل بے بُنیاد نہیں ہے اور اس کو اس شبہہ کا فائدہ حاصل ہوگا۔

البتّہ اگر وہ جانتا تھا کہ بیوی کی باندی اس کے لیے حلال نہیں ہے اور پھر بھی اس نے اس باندی سے مباشرت کی تو چونکہ شبہہ موجود نہیں ہے لہٰذا اس پر زنا کی حد لگائی جائے گی۔

یہ فعل کے شُبہہ کی مثال ہے کیونکہ اس کو فعل کے ارتکاب کے حرام یا حلال ہونے میں اشتباہ ہُوا ہے۔خود باندی میں حلت کا کوئی شُبہہ شریعت کی طرف سے وارد نہیں ہے۔

۳۔ عقد کا شبہہ

اس کا اعتبار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کیا ہے۔امام ابو یُوسف اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس شبہہ کا اعتبار نہیں کیا۔مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو اگرچہ وہ جانتا بھی ہو کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اس کے نتیجے میں جو مباشرت وہ کرے گا اس پر زنا کی حد نہیں لگے گی۔کیونکہ اس نے بہرحال نکاح کیا ہے اور عقد نکاح موجب حلت ہوتا ہے تو یہاں اگرچہ گواہوں کی

شرط نہ پائے جانے کی بناء پر یہ عقد موجب حلت تو نہیں ہُوا لیکن حلت کے شُبہ کا سبب ضرور بن گیا۔ اس لیے اگرچہ اس شخص کو تعزیر کی جاسکے گی لیکن زنا کی حد اس پر نہیں لگے گی۔

قاعدہ نمبر ۱۳

الخراج بالضمان : جہاں نفع اور فائدہ ملے وہیں ذمّہ داری بھی ہے۔

حدیث میں ہے ایک شخص نے ایک غلام خریدا۔ کچھ عرصے بعد خریدار نے غلام میں عیب پایا وہ مقدمہ لے کر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس گیا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے غلام بائع کو واپس کر دیا۔ بائع نے کہا کہ اس نے میرے غلام کو استعمال کیا ہے۔ (یعنی اس سے کام لیے ہیں) اس پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا الخراج بالضمان (نفع ذمّہ داری کے ساتھ ہے)

مسئلہ: امام ابویُوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مقروض نے اپنے ضامن (کفیل) کو قرض کی رقم دی پیشتر اس کے کہ ضامن نے قرض خواہ کو اپنے پاس سے رقم لوٹائی ہو۔ پھر ضامن نے اس رقم سے نفع بھی کمایا تو ضامن کے لیے نفع حلال ہوگا اور اُس کی وجہ یہی قاعدہ ہے۔

قارئین انوارِ مدینہ کی خدمت میں اپیل

ماہنامہ انوارِ مدینہ کے وہ ممبر حضرات جن کو مستقل طور پر رسالہ ارسال کیا جارہا ہے لیکن عرصہ سے اُن کے واجبات موصول نہیں ہُوئے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ انوارِ مدینہ ایک دینی رسالہ ہے جو ایک دینی ادارہ سے وابستہ ہے اس کا فائدہ طرفین کا فائدہ ہے اور اس کا نقصان طرفین کا نقصان ہے اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کی سرپرستی فرماتے ہُوئے اپنا چندہ بھی ارسال فرمادیں اور دیگر احباب کو بھی اس کی خریداری کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ جہاں اس سے ادارہ کو فائدہ ہو وہاں آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن سکے (ادارہ)

الحاج سید امین گیلانی

مفت میں کون تجھے اپنی کمائی دے گا

تو اگر عشق میں رو رو کے دہائی دے گا
جو بھی آئے گا تجھے ہی وہ برائی دے گا

جھونک دی خاک تیری آنکھوں میں جب دُنیا نے
حال دُنیا کا تجھے خاک دکھائی دے گا

مَیں تو دُھراتا ہی رہتا ہوں صدا نغمۂ خیر
شورِ دُنیا میں کہاں تجھ کو سُنائی دے گا

جس خُدا کا نہ تو بندہ بنا بندہ ہو کر
اس کا تو بندہ بنے گا تو خدائی دے گا

جس نے دُنیا میں نہ انصاف کو اپنایا ہو
کون عقبٰی میں بھلا اس کی صفائی دے گا

جس نے زندانِ مصیبت میں تجھے ڈالا ہے
وہی زندانِ مصیبت سے رہائی دے گا

جس کی فِطرت ہو بُری اُس سے یہ اُمید نہ رکھ
تجھ کو بدلے میں بھلائی کے بھلائی دے گا

عشق کی رہ میں پہن عزم و یقین کی پاپوش
اے مسافر! یہ سفر آبلہ پائی دے گا

تو جو ہاتھوں سے کمائے گا وہی ہے تیرا
مفت میں کون تجھے اپنی کمائی دے گا

تو زمانے کو سمجھ مثلِ غزالِ صحرا
تیرے نزدیک بھی آکر یہ جھکائی دے گا[1]

مانگ اللہ سے تو نورِ بصیرت اے شخص!
حق و باطل میں تجھے فرق سجھائی دے گا

آ بھی جلتے جو غمِ سود و زیاں گیلانی
غمِ جاناں کبھی دل تک نہ رسائی دے گا

---

[1] جھکائی - مدمقابل کو مغالطہ دینا

تردیدی خط

اکتوبر ۱۹۹۷ء میں ماہ نامہ انوارِ مدینہ میں شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا ایک مضمون بعنوان "مولانا عبید اللہ سندھی رح" شائع کیا گیا تھا۔ اس پہ ردِ عمل کے طور پر راقم کو ایک خط موصول ہوا تھا جو صاحبِ خط کے اصرار کی بناء پر جنوری ۱۹۹۸ء کے شمارے میں "حضرت مدنی رح۔ مولانا عبید اللہ سندھی ردِ عمل اور جواب" کے عنوان سے شائع کیا گیا تھا۔ صاحب خط نے اس میں حضرت مولانا رفیع صاحب عثمانی مدظلہم سے منسوب کچھ سطریں تحریر کی تھیں، ان سطروں کے بارے میں گزشتہ ماہ راقم کو حضرت مولانا رفیع صاحب عثمانی مدظلہم کا ایک تحریر کردہ خط موصول ہُوا جس میں اس تردید کو شائع کرنے پر زور بھی دیا گیا ہے لہٰذا اخلاقی ضابطہ کے بموجب اس تردیدی خط کو شائع کیا جا رہا ہے۔ ربنا لا تجعلنا فتنة للذین کفروا واغفر لنا ربنا انك انت العزیز الحکیم۔

(محمود میاں غفرلہٗ)

محترمی جناب مدیر صاحب ماہنامہ انوارِ مدینہ لاہور

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خُدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو

کچھ عرصہ پہلے کرم فرمائے محترم حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم نے ماہنامہ انوارِ مدینہ کے شمارہ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ میں چھپے ہُوئے ایک مضمون کی فوٹو کاپی ناچیز کے پاس بھیجی، اس مضمون کا عنوان ہے "حضرت مدنی۔ مولانا عبید اللہ سندھی ردِ عمل اور جواب" اس کے صفحہ انچاس ۴۹ پر ایک عبارت درج ہے جس میں میری طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ مَیں نے نعوذ باللہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی شان اقدس میں درس حدیث میں بیٹھ کر طلبہ کے سامنے گستاخی کے کلمات کہے ہیں۔

اسے دیکھ کر ناچیز کو شدید غم اور افسوس ہے جبکہ الحمدللہ ناچیز حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ادنیٰ

عقیدت مندوں میں شامل ہے اور عقیدت مندی کو اپنے لیے فال نیک سمجھتا ہے افسوس ہے کہ صاحب مضمون نے نہ جانے کیوں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اقدس میں میری طرف ایسے کلمات منسوب کیے کہ جن کو یہاں نقل کرنے کی بھی مجھے ہمت نہیں ہورہی۔ اس لیے آنجناب سے درخواست ہے کہ براہِ کرم میری طرف سے یہ تردید ماہنامہ انوارِ مدینہ میں ضرور شائع فرما دی جائے۔

مَیں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ اقدس میں یہ خبیث الفاظ نہ کبھی زبان سے نکالے، نہ قلم سے، اور نہ کبھی اُن کی شانِ اقدس میں ایسی بدگمانی کی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اُن کی برکات سے محروم نہ فرمائے۔

والسلام

ناچیز (محمد رفیع عثمانی)

رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی

عُمدہ اور فینسی جِلد سازی کا عظیم مرکز

نفیس بُک بائنڈرز

NBB

ہمارے یہاں ڈائی دار اور لیمینیشن والی جلد بنانے کا کام انتہائی معیاری طور پر کیا جاتا ہے

نیز قرآن مجید کی اعلیٰ قسم کی بکس والی جلد بھی خوبصورت انداز میں بنائی جاتی ہے

مُناسب نرخ پر معیاری جلد سازی کے لئے رجوع فرمائیں

۱۶۔ ٹیپ روڈ نزد گھوڑا ہسپتال لاہور ○ فون 7322408

حاصلِ مُطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

دُنیا کی بادشاہت کی قدر وقیمت

حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"ایک بزرگ تھے اُن کو کسی بادشاہ کو نصیحت کرنا منظور تھا اس لیے اُنھوں نے اس بادشاہ سے کہا کہ: کیوں جی اگر تم جنگل میں ہو اور رفیقوں سے بچھڑ جاؤ اور پیاس تم کو لگے اور کہیں پانی اس جنگل میں نہ ملے حتّٰی کہ پیاس کے مارے مرنے لگو اور اس وقت کوئی شخص ایک کٹورہ پانی کا تمہارے سامنے لائے اور یہ کہے کہ آدھی سلطنت دو تو میں یہ کٹورہ پانی کا تم کو دوں تم اس وقت کیا کرو گے ؟ بادشاہ نے کہا میں فوراً دے دوں گا ، پھر کہا: اگر خدانخواستہ تمہارا پیشاب بند ہو جائے اور تمام اطباء اور حکماء علاج سے عاجز ہو جائیں اور کوئی تدبیر نہ ہو اور کوئی شخص یہ کہے کہ اگر نصف سلطنت مجھ کو دے دو تمہارا پیشاب ابھی کُھل جائے تو تم دے دو گے ؟ کہا کہ بیشک دے دوں گا ، ان بزرگ نے فرمایا کہ بس دیکھ لو آپ کی سلطنت کا یہ نرخ ہے یعنی ایک پیالہ پانی اور ایک پیالہ مُوت (پیشاب)"[1]

---

[1] وعظ الباقی مشمولہ دُنیا و آخرت ص ۲۳۸

ڈاڑھی منڈانا حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ستانا اور ایذا دینا ہے۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مُسلمانوں کو ڈاڑھی رکھنے اور مُونچھیں کٹانے کا حکم دیا ہے، ڈاڑھی منڈانے سے آپ کو ایذا اور تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے ڈاڑھی کو مُشرکین اور مجوسیوں کا فعل قرار دیا ہے اور اس پر اظہارِ ناراضگی فرمایا۔ کتبِ حدیث وسیر میں ایک واقعہ آتا ہے جس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

"حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مختلف بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ کیے تھے جن میں سے ایک خط ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے نام بھی ارسال فرمایا، جب شاہِ ایران خسرو پرویز کے پاس حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تبلیغی والا نامہ پہنچا تو اُس نے نامہ مُبارک دیکھتے ہی غُصّے سے چاک کر دیا اور یُوں بکنے لگا کہ "ہماری رعایا کا ادنیٰ شخص ہمیں خط لکھتا ہے اور اپنا نام ہمارے نام سے پہلے لکھتا ہے"۔ اس کے بعد کسرٰی نے باذان کو جو اس کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اور عرب کا تمام مُلک اس کے زیرِ نگیں سمجھا جاتا تھا حکم بھیجا کہ دو مضبوط آدمی بھیجو جو اِس مدعیِ نبوّت کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آئیں۔ باذان نے ایک فوجی دستہ تیّار کیا جس کے افسر کا نام خرخسرو تھا، نیز حالاتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) پر گہری نظر ڈالنے کے لیے ایک ملکی افسر بھی اس کے ساتھ کر دیا جس کا نام بانویہ تھا، یہ دونوں افسر جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوئے تو نبوّت کے رعب کی وجہ سے ان کی گردن کی رگیں تھر تھر کانپنے لگیں، یہ لوگ چونکہ آتش پرست تھے اس لیے ڈاڑھیاں منڈی ہوئی اور مُونچھیں بڑھی ہُوئی تھیں..." فکرہ النظر الیھما وقال : ویلکما من امر کما بھٰذا ؟ فقالا امرنا بھذا ربنا یعنیان کسریٰ فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لکن ربی امرنی باعفاء لحیتی

وقصن شاربی" اُن کے چہرہ پر نظر ڈال کر آپ کو تکلیف پہنچی آپ نے پہلا سوال اُن سے یہ کیا کہ ایسی صُورت بنانیکا تم سے کس نے کہا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہمارے رب کسرای نے (وہ اپنے بادشاہ کسرای کو رب کہا کرتے تھے) آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: مگر میرے ربّ نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤں اور مُونچھیں کترواؤں۔"[1]

مرزا بیدل کا واقعہ

ہندوستان کے ایک شاعر مرزا بیدل کا عبرت انگیز واقعہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

" ہند میں ایک فارسی شاعر مرزا بیدل تھے اُن کے نعتیہ کلام سے متأثّر ہوکر ایران سے ایک صاحب ان کی ملاقات کے اشتیاق میں ہندوستان آئے۔ شاعر مرزا بیدل سے ملاقات ہُوئی تو اتّفاق سے وہ ڈاڑھی منڈوانے میں مشغول تھے، ایرانی مسافر نے بڑے تعجّب اور دُکھ سے کہا کہ: "آغا ریش می تراشی؟" آقا آپ ڈاڑھی منڈاتے ہیں اُس نے کہا "بلے دلِ کسے را نمی خراشم" ہاں، لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتا، ایرانی مسافر نے برجستہ کہا "آرے دلِ رسولِ خُدا می خراشی" تو تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دل دکھاتا ہے، تب اس کی آنکھیں کھلیں اور قالاً یا حالاً کہا ؎

جَزَاكَ اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی"[2]

خُدا تجھے جزا دے تُو نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے جانِ جاں (محبوب) کے ہمراز کردیا۔

ایک انگریز کا عبرت انگیز واقعہ

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ الحدیث دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک انگریز اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد مُسلمان ہوگیا اور اسلام قبول کرتے ہی

---

[1] الوفا باحوال المصطفیٰ لابن الجوزی ج:۲، ص: ۳۳۷ طبقات ابن سعد جلد اوّل صـ مصنّف ابن ابی شیبہ ج صـ سیرت حلبیہ ج: صـ [2] ڈاڑھی اور انبیاء کی سُنّتیں صـ ۹۳

اُس نے ڈاڑھی منڈانی چھوڑ دی، کچھ لوگ اس سے کہنے لگے کہ "ڈاڑھی رکھنا اسلام میں کچھ ضروری نہیں ہے آپ نے خواہ مخواہ ڈاڑھی مونڈنی چھوڑ دی"۔ اس نومسلم انگریز نے جواب دیا کہ میں "ضروری اور غیر ضروری کی تقسیم نہیں جانتا۔ مَیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ہمارے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ڈاڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے اور جب مَیں نے ان کی اطاعت قبول کر لی تو اَب ان کا حکم بجالانا میرا فرض ہے کسی کے ماتحت کا یہ کام نہیں کہ افسرِ بالا کے احکام میں سے کسی کو ضروری اور کسی کو غیر ضروری قرار دے"[۱]

ایک مُشت کے برابر ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور اس سے کم کرانا یا منڈوانا تمام ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔ کُفّار ومُشرکین کے ساتھ مشابہت اور حضور علیہ السّلام کی ایذا دہی کا سبب ہے۔ اللہ ہمیں اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمدردانِ اسلام کی اسلام کے ساتھ خیر خواہی

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ایک شاہی باز اُڑ کر ایک بڑھیا کے یہاں جا بیٹھا۔ بُڑھیا نے اُس کو پکڑ لیا اور اُس کی چونچ اور پنجوں کو دیکھ کر بڑا رحم آیا۔ دیکھا چونچ ٹیڑھی ہے ناخن کس قدر بڑھے ہوئے ہیں اور ٹیڑھے بھی ہیں اور اس گود میں لے کر رونا شروع کر دیا کہ ہائے بچّے تو کیسے زمین پر بیٹھتا ہوگا، تیری اُنگلیاں ٹیڑھی ہیں، ناخن اتنے بڑھ گئے ہیں اور کھانا کیسے ہوگا، کیونکہ چونچ بھی ٹیڑھی ہے معلوم ہوتا ہے تو بے ماں باپ کے ہے کوئی تیری دیکھ ریکھ کرنے والا نہیں ہے جو ناخن کاٹتا اور چونچ کو دُرست کرتا۔ رحم نے شفقت کا ایسا زور کیا کہ قینچی لے کر اس کے ناخن سب کاٹ دیے اور چونچ بھی تراش دی۔ اپنے نزدیک تو بُڑھیا نے اس کی بڑی خیر خواہی اور ہمدردی کی مگر خُدا بچائے ایسی ہمدردی سے کہ اس کو برباد ہی کر دیا نہ وہ شکار کے پکڑنے کے کام کا رہا اور نہ کھانے کے۔"

---

[۱] ڈاڑھی اور انبیاء کی سُنتیں ص ۸۸

یہ حکایت بیان کر کے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

"یہی خیر خواہی اسلام کے ساتھ آج کل ہمدردانِ اسلام کرتے ہیں کہ یہ بھی فضول اور وہ بھی فضول، نماز بھی زائد ہے۔ روزہ بھی زائد ہے، زکوٰۃ کی حاجت نہیں، حج بھی فضول ہے اور پھر مسلمان ہونے کے مدعی، معلوم نہیں اسلام کس چیز کا نام ہے۔ کوٹ کا نام ہے یا پتلون کا نام ہے؟" [1]

ہماری دین پر عمل کرنے کی حالت؟

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

"مولانا رومؒ نے ایک مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے ایک گودنے والے سے کہا: میری پیٹھ پر شیر کی تصویر بنا دو تاکہ کمر میں قوّت رہے وہ تصویر بنانے بیٹھا اور سوئی چبھوئی، اُس نے ایک آہ کی اور پُوچھا کہ کیا بناتے ہو اُس نے کہا دُم بناتا ہوں، آپ بولے کہ دُم نہ بناؤ یہ کوئی مکھیاں تھوڑا اُڑائے گا۔ اُس نے دُم چھوڑ کر دوسری طرف سُوئی چُبھوئی، پھر آہ کی اور پُوچھا اَب کیا کرتے ہو، اُس نے کہا کہ سر بناتا ہوں، آپ نے کہا یہ کوئی دیکھے گا تھوڑا ہی ایسا ہی رہنے دو۔ پھر اُس نے پیٹ بنانا چاہا تو آپ کہتے ہیں کہ کوئی کھائے گا تھوڑا ہی، غرض جس عضو کو بناتا تھا آپ یہی کہتے تھے کہ اس کو کیوں بناتے ہو؟ اِس پر بنانے والے نے سوئی پھینک دی اور کہا

شیرِ بے گوش و سرو شکم کہ دید	این چنیں شیر خدا ہم نافرید

بغیر کان، سر اور پیٹ کا شیر کس نے دیکھا ہے ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا میں کیا بناؤں گا۔

آگے مولانا فرماتے ہیں۔

چوں نہ داری طاقتِ سوزن زدن	از چنیں شیرِ ژیاں بس دم مزن

اگر تمہارے اندر اتنی بھی طاقت نہیں کہ سوئی کو برداشت کرسکو تو شیر کا نام بھی مت لو۔" [2]

---

[1] حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات ص۲۸ [2] حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات ص۶۰

(بقیہ بر ص ۶۳)

اخبار و احوال جامعہ (جدید)

محمد آباد رائے ونڈ روڈ

○ ۳۰ اپریل، حضرت مولانا مسعود صاحب غزنوی ندوی ہندوستان سے تشریف لائے اور حضرت مہتمم مولانا سیّد محمود میاں صاحب کے ہمراہ جامعہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور تشریف لے گئے اور جامعہ کی ترقّی کے لیے خصوصی دُعا فرمائی۔

○ ۴ مئی، بعد نمازِ عشاء جناب حافظ فرید احمد صاحب، کراچی سے تشریف لائے اور جامعہ جدید کی مسجد حامد کا زیرِ تکمیل ماڈل دیکھا اور اس پر مسرت کا اظہار کیا

○ ۸ مئی، جناب بھائی ریاض الدّین بعد نماز مغرب کراچی سے تشریف لائے اُن کے ہمراہ جناب بھائی خالد صاحب چمن والے بھی تشریف لائے۔ اور حضرت مہتمم صاحب (جامعہ جدید) سے ملاقات میں جامعہ جدید کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہوئی ان حضرات نے مسجد حامد کا ماڈل اور اس کا ماسٹر پلان بھی ملاحظہ فرمایا اور بے حد مسرور ہوئے۔

○ ۱۰ مئی۔ شب کے بارہ بجے الشیخ مرابطین محمد الجزائری خُصوصی طور پر فرانس سے جامعہ جدید کے سنگِ بُنیاد کی تقریب میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ اگلے دن حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب کی معیت میں جامعہ جدید تشریف لے گئے اور جامعہ جدید کی جگہ کا دلچسپی سے ملاحظہ کیا۔ اس دوران جامعہ کے قدیم مدرس حضرت مولانا خالد محمود صاحب اور شیخ زبیدی الشامی بھی ہمراہ تھے۔

○ ۱۲ مئی، بعد نماز عصر حضرت مہتمم صاحب، شیخ جزائری صاحب کے ہمراہ بانی جامعہ حضرت اقدس نوراللہ مرقدہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ نیز حضرت کے چھوٹے صاحبزادے جناب مقصود میاں رحؒ کے مزار پر بھی ایصالِ ثواب کیا۔

○ ۱۴ مئی، جامعہ کے معاون جناب بھائی خلیل صاحب کی دعوت پر حضرت مہتمم صاحب (جامعہ جدید) اور جناب شیخ جزائری مدظلہم، ان کے ہاں رات کے کھانے پر تشریف لے گئے۔

○ ۱۵ مئی، جناب بھائی فاروق صاحب نے شیخ جزائری مدظلہم، حضرت مہتمم صاحب کو رات کے

کھانے پر مدعو کیا۔

◯ ۱۹ر مئی۔ بعد نماز مغرب جناب حافظ رشید احمد صاحب شریفی کراچی سے تشریف لائے اور شیخ جزائری مدظلہم اور حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔ اور شیخ صاحب کے ہمراہ کھانا بھی تناول فرمایا۔

◯ ۲۱ر مئی، صُبح کے وقت جناب ندیم اختر صاحب اسلام آباد سے تشریف لائے اور حضرت مہتمم مولانا سیّد محمود میاں صاحب (جامعہ جدید) اور دیگر مختلف اُمور پر گفتگو ہُوئی۔ نیز جامعہ جدید کے سنگِ بُنیاد کے پروگرام سے آگاہ ہو کر بے حد مسرّت کا اظہار کیا اور بعد عصر واپس تشریف لے گئے۔

بقیہ: حاصل مطالعہ

دین میں عیب نکالنا، اپنے اندر عیب ہونے کی وجہ سے ہے

"ایک حبشی کی حکایت لکھی ہے کہ اُس کو کہیں سے ایک آئینہ پڑا ہوا مل گیا، اُس کو اُٹھا کر دیکھا تو اُس میں اپنی کالی کالی صُورت شریف نظر پڑی، کہنے لگا کہ کم بخت جب تو ایسا بدصُورت تھا تب ہی تو کوئی تجھ کو یہاں پھینک گیا ہے"۔ [1]

"انوارِ مدینہ" میں
اشتہار
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

[1] وعظ مظاہر الاقوال مشمولہ ـــــ ص

تقریب سنگ بنیاد

''مسجد حامد'' و ''جامعہ مدنیہ (جدید)''

بانی جامعہ حضرتِ اقدس شیخ الحدیث مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جامعہ مدنیہ کی وسیع پیمانہ پر ترقی کے لیے محمد آباد موضع پاجیاں (لاہور رائیونڈ روڈ نزد چوک تبلیغی جلسہ گاہ) پر بر لب سڑک جامعہ اور خانقاہ کے لیے تقریباً ۲۴ ایکڑ رقبہ ۱۹۸۰ء میں خرید کیا تھا۔ انشاء اللہ ۱۱ جون بروز اتوار صبح ۹ بجے جامعہ جدید کی تعمیر کے آغاز اور مسجد حامد کے سنگ بنیاد کی تقریب طے پائی ہے۔ سنگ بنیاد کے لیے جانشینِ شیخ الاسلام حضرتِ اقدس مولانا سیّد اسعد مدنی دامت برکاتہم العالیہ بطور خاص انڈیا سے تشریف لا رہے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ' دیگر علماء صالحین اور بزرگانِ دین تشریف لائیں گے۔ اس مبارک تقریب کے موقع پر وابستگان حضرتِ اقدس' معاونین جامعہ اور عامتہ المسلمین سے شرکت کرنے اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی اپیل ہے۔

منجانب

سیّد محمود میاں مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) وار اکین اور خدام جامعہ

خطوط' عطیات اور چیک بھیجنے کے پتے

1 - سیّد محمود میاں ''بیت الحمد'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور پاکستان

2 - سیّد محمود میاں جامعہ مدنیہ (جدید) محمد آباد موضع پاجیاں رائیونڈ روڈ لاہور پاکستان

فون نمبرز :- 092 - 42 - 200577

092 - 42 - 7726702

اکاؤنٹ نمبر 3 - 7915 مسلم کمرشل بینک کریم پارک برانچ لاہور

ڈالر اکاؤنٹ نمبر 19 مسلم کمرشل بینک ٹمبر مارکیٹ برانچ لاہور